ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

مرکزی لائبریری جامعۃ الفلاح

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

(اقبالؒ)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو بلریاگنج

شمارہ نمبر ۱۰	جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ اکتوبر ۱۹۹۹ء	جلد نمبر ۱۵

مدیر معاون	مدیر	مدیر مسئول
انیس احمد فلاحی	عبد البر اثری فلاحی	نور محمد فلاحی

✱ سالانہ زر تعاون : 50.00 روپے	✱ طلبہ کے لیے : 40.00 روپے
✱ خصوصی زر تعاون : 100.00 روپے	✱ اعزازی زر تعاون: 1000.00 روپے
✱ بیرون ملک سے : 25.00 امریکی ڈالر	✱ قیمت فی شمارہ : 5.00 روپے

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے، لہٰذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ "مجلہ حیات نو" جامعۃ الفلاح،
بلریاگنج، اعظم گڑھ 276121 (یو.پی) فون نمبر 05466 - 25115

فارغین کے نام

برادران گرامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ تمام برادران اپنے واجبات کی ادائیگی اور حصول رضائے الٰہی میں ہمہ تن مصروف ہوں گے اللہ ہم سبھوں کو توفیق مزید عنایت فرمائے۔

قائم مقام سکریٹری انجمن کے مراسلے سے مادر علمی میں ۱۵/۱۶/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو المکتبۃ المرکزیۃ کے افتتاحی پروگرام اور ساتویں اجلاس عام کے تحت انجمن کے تنظیمی اجلاس کی اطلاع مل گئی ہوگی اور توقع ہے آپ اس کے لئے ہمہ جہتی تیاریوں میں لگ گئے ہوں گے۔

مکتبہ مرکزیہ کو کارآمد اور مفید تر بنانے کے لئے اپنا اور اہل خیر کا مادی اور معنوی تعاون حاصل کریں اور ہر فلاحی بھائی بطور خاص اپنی حیثیت کے مطابق مکتبہ کو کتابوں کا نذرانہ ضرور پیش کرے۔

اجلاس عام کو کامیاب اور مثمر بنانے کے لئے جو تجاویز اور مشورے ہوں تحریری طور پر بھیجیں۔ اگر اجلاس میں شرکت کے سلسلہ میں کوئی پریشانی محسوس ہو تو مقامی یونٹ یا مرکز سے براہ راست رجوع کریں۔

جن فلاحی برادران کے پتے بدل گئے ہیں، آپ کے علم میں ہیں اور وہ آپ سے قریب ہیں تو ان کے پتے ہمیں بھیجیں اور ان کو بھی براہ راست رابطہ قائم کرنے کی طرف متوجہ کریں۔

اجلاس کے فنڈ میں دل کھول کر حصہ لیں اور ہمدردان کو بھی اس طرف متوجہ کریں۔

دونوں پروگرام ساتھ رکھے گئے ہیں تاکہ آپ کی شرکت یقینی ہوسکے آپ تمام برادران سے مشورہ کرکے غور وفکر کے بعد شریک اجلاس ہوں۔ نئے فعال کارکنان کو سامنے لائیں تاکہ انجمن کی سرگرمیاں تیز تر ہوں اور مقاصد انجمن بطریق احسن بروئے کار لائے جاسکیں

مولانا نور محمد صاحب سکریٹری انجمن صاحب فراش ہوگئے ہیں، حالت نازک سے نازک تر ہورہی ہے۔ وہ تمام برادران کو سلام لکھوارہے ہیں، ان کے لئے دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت سے نوازے اور ان کے مسائل حل فرمائے۔ آمین۔

امید ہے متعلقین بخیر ہوں گے۔ حسب مراتب انھیں سلام اور دعا عرض کریں اور اپنے کوائف سے ضرور مطلع فرمائیں۔

والسلام

آپ کا

رحمت اللہ اثری فلاحی (صدر انجمن)

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ

وخیر جلیس فی الزمان کتاب — عبدالبر اثری فلاحی — ۳

بحث و نظر

مقاصد سے انحراف — مصطفیٰ مشہور — ۷

کیا صاحب قرآن کے والدین کو تاج پہنایا جائیگا — ابو صادقہ کوثر فلاحی — ۱۱

شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے تراجم قرآنی — محمد نعیم فلاحی — ۱۳

ہدایت کے چراغ

طاؤس بن کیسانؒ — ابو جلیس ندوی — ۲۱

مذاہب عالم

جین مت (۵) — انیس احمد فلاحی — ۲۵

سیر و سوانح

ذکر جلیل "خمیمہ" (۵) — عبدالبر اثری فلاحی — ۳۰

مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ (۱) — محمد عارف عمری — ۳۴

فقہ و فتاویٰ

کفار کے جنازے میں شرکت کا حکم — ابو ارقم فلاحی — ۴۰

تعارف و تبصرہ

سرسید کا اصلاحی مشن — ابو عبدالرحمٰن عمار فلاحی — ۴۱

جامعہ کے لیل ونہار

کل ہند صدر ایس، آئی، ایم کا خطاب — ادارہ — ۴۴

المکتبۃ المرکزیہ — ۴۷

پروگرام تقریب افتتاح مرکزی لائبریری (بیک ٹائٹل اندرونی صفحہ)

روداد انجمن

فارغین کے نام — صدر انجمن — (ٹائیٹل اندرونی صفحہ)

فارغات کے نام — ناظمہ انجمن — ۲

پروگرام انجمن طالبات قدیم — ۳۶

ادار یہ

"وخیر جلیس فی الزمان کتاب"

"اور زمانے میں بہترین ہمنشیں کتاب ہے"

عبدالبر اثری فلاحی

عربی کا مشہور مقولہ ہے "العلم صید والکتابۃ قیدہ" واقفیت بہم پہونچانا مثل شکار ہے اور لکھ لینا مثل قید کرنا ہے یعنی اسے محفوظ بنالینا ہے چنانچہ تحریر کے ذریعہ جو چیزیں محفوظ کرلی جاتی ہیں وہی مہذب شکل میں کتاب کی صورت اختیار کرتی ہیں یہی کتابیں فرداً فرداً لوگوں کے پاس ہوتی ہیں تو ان کا افادہ محدود ہوتا ہے اور ان کے ضیاع کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے لیکن جب وہ کسی جگہ محفوظ کردی جاتی ہیں جہاں لوگوں کی رسائی آسان ہو اور حفاظت کی جملہ تدابیر اختیار کی جاتی رہیں تو ان کی افادیت عام ہو جاتی ہے اور ان کا تحفظ یقینی بن جاتا ہے۔ یہی جنھیں عرف عام میں "کتب خانہ" "لائبریری" اور "مکتبہ" وغیرہا کہلاتی ہیں گویا مختصراً لائبریریوں کے قیام کے عمومی مقاصد کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ علم کا تحفظ کرنا اور اس کو آئندہ نسلوں تک پہونچانا۔

۲۔ علم کی تحصیل اور تحقیقات میں سہولتیں بہم پہونچانا۔

۳۔ خواص وعوام کی تہذیبی وثقافتی نشو ونما کے لئے مطلوبہ مواد فراہم کرنا۔

ان عمومی مقاصد کے علاوہ بعض خصوصی مقاصد کے تحت بھی کتب خانے قائم کئے جاتے رہے ہیں اور آج بھی قائم کئے جاتے ہیں مثلاً مختلف صنعتی، فنی اور کاروباری ضرورتوں کے پیش نظر مخصوص قسم کی لائبریریاں قائم کی جاتی ہیں اسی طرح تعلیمی ادارے بھی اپنے یہاں تعلیمی وتدریسی ضرورتوں کے مطابق لائبریریاں بناتے اور انھیں آراستہ وپیراستہ کرتے ہیں۔ یہ قدیم روایت بھی ہے اور اداروں کے ضرورت بھی کیوں کہ محض استاذ اور نصابی کتب کے ذریعہ طلبہ کے اندر وہ استعداد، ملکہ اور خود اعتمادی پیدا نہیں ہوتی جو لائبریریوں کے ذریعہ استفادہ اور وسیع مطالعہ کے نتیجے میں ممکن ہے چنانچہ ان طلبہ میں جو صرف نصابی کتب اور استاد

سے استفادے پر اکتفا کرتے ہیں اور وہ طلبہ جو غیر نصابی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں اور لائبریریوں کی خاک چھانتے ہیں دونوں کی ذہانت، قوت کار اور راست فکری میں فرق بآسانی محسوس کیا جاسکتا ہے گویا طلبہ کی صلاحیتوں کو اوج کمال پر پہونچانے میں اور تعلیم گاہوں کے معیار کو اونچا اٹھانے میں لائبریریوں کا اہم رول ہوتا ہے، یہی وجہ ہے لائبریریوں کو تعلیم گاہوں کا دل کہا جاتا ہے اور ان کے عروج و زوال کو ناپنے کا آلہ بھی کہ اگر لائبریریوں کی حالت اچھی ہے تو گویا وہاں کا تعلیمی معیار اچھا ہے اور وہ روبہ ترقی ہے اور اگر ان لائبریریوں کی حالت خراب ہے تو گویا وہاں تعلیمی ماحول نہیں پایا جاتا جو زوال کی علامت ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ تعلیم گاہوں میں لائبریری کی اس اہمیت کو ہمیشہ محسوس کیا گیا اور بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی طرح لائبریریاں بھی ضرور قائم کی گئیں بلکہ ان کے لئے رقمیں بھی مخصوص کی جاتی تھیں چنانچہ نظام الملک کے بارے میں آتا ہے کہ جب اس نے مدرسے قائم کئے تو ہر جگہ کتب خانے بھی قائم کئے اور مدرسہ نظامیہ بغداد کا کتب خانہ تو بہت بڑا تھا یہاں تک آتا ہے کہ زائرین و شائقین کے قیام و طعام کے ساتھ دیگر ضروریات و سہولیات کا انتظام بھی لائبریری کی طرف سے کیا جاتا تھا الحمد اللہ آج بھی تعلیمی اداروں میں یہ روایت باقی ہے لیکن معیار متاثر ہے۔

لائبریریاں ہیں لیکن جامع و مانع نہیں میری آپ بیتی ہے میں ملک کے ایک عظیم، معروف اور نمائندہ ادارے کی لائبریری میں گیا مجھے ''المنجد'' سے وقتی طور پر کچھ دیکھنا تھا لیکن حیرت زدہ رہ گیا جب معلوم ہوا کہ اس قدر عام اور سہل الحصول لغت بھی اس لائبریری میں موجود نہیں ہے۔

اسی طرح ان میں سے بعض لائبریریوں کے پاس انتہائی قیمتی ذخائر ہیں لیکن جدید تکنیک اور سہولیات سے محروم ہونے کی وجہ سے ان سے استفادہ انتہائی دشوار ہے ملک کی ممتاز لائبریریوں میں سے ایک لائبریری سے ایک قدیم رسالہ کے بعض صفحات کے فوٹو کاپی کی ضرورت پڑی تو وہاں یہ سہولت نہ ہونے کی وجہ سے دو دن بعد فوٹو کاپی فراہم کی جاسکی اور وہ بھی دو چند اخراجات کے ساتھ۔

اسی طرح ہماری تعلیم گاہوں کی لائبریریوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہاں جس قدر کتب فراہم کی جاتی ہیں عموماً منتہی طلبہ و اساتذہ کے مفید مطلب تو ہوتی ہیں لیکن نونہالوں اور بچوں کی مناسبت سے کتب بہت کم فراہم کی جاتی ہیں بعض جگہوں پر تو ان بچوں کے مناسب حال کتابیں دیکھنے ہی کو نہیں ملتیں، حالانکہ اگر شروع ہی سے ابتدائی اور ثانوی کی سطح پر کتب بینی کا رجحان پروان چڑھایا جائے تو یہ مستقبل میں ٹھوس بنیاد کا کام دیں گی اور بچوں کی صلاحیتیں فطری انداز میں نشو و نما پائیں گی ضرورت ہے کہ اس خاص شعبے پر بھی توجہ دی جائے۔

ہماری دینی درس گاہوں کی لائبریریوں کے حوالے سے یہ بات بھی خصوصی طور پر قابل توجہ ہے کہ وہاں عموماً منصوبہ بند طریقے پر مراجع و مصادر کی کتابوں کی فراہمی پر کما حقہ توجہ نہیں دی جاتی۔ بس عمومی کوشش سے یا آپ سے آپ جو کتب مہیا ہوگئیں اسی پر قانع رہتے ہیں حالانکہ اسکے لئے بجٹ کا ایک اچھا خاصہ حصہ مخصوص ہونا چاہئے اور کوششیں تیز سے تیز تر ہونی چاہئیں ذرا آپ اندازہ لگائیں قرطبہ کے حکمراں الحکم نے جب لائبریری قائم کی تو مشرقی دنیا کے تمام اطراف میں اس مقصد کے لئے قاصد روانہ کئے تھے کہ کتابیں جمع کرکے لائیں جب ''ابو الفرج الاصفہانی'' نے اپنی تصنیف ''الاغانی'' ختم کرلی تو الحکم نے ایک قاصد اسکے پاس روانہ کیا کہ قبل اس کے وہ کتاب کسی اور کے ہاتھ لگے ایک نسخہ اسکے پاس پہونچ جائے اور پھر بادشاہ نے دس ہزار طلائی دینار بطور انعام مصنف کو دیئے۔ (نفح الطیب ج ۱ ص ۱۸۲)

ذاتی لائبریریوں کا قیام ہماری روایات کا ایک اہم حصہ رہا ہے جامعہ ازہر و اطراف جو ہماری روایات کی امین ہیں آج بھی یہ وہاں زندہ و پائندہ ہے لیکن ہمارے یہاں ہمہ جہتی زوال کے ساتھ اس ذوق و رجحان پر بھی زوال آیا ہے ضرورت ہے کہ ہر ایک خود اپنی ذاتی لائبریری بنانے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ ذاتی لائبریری سے استفادہ جس قدر آسان ہے عام لائبریریوں سے وہ اتنا آسان نہیں اور جہاں تک مطالعہ اور کتاب کی ضرورت کا سوال ہے تو وہ ہر ذی علم کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ انکی غذا ہے، سکون کا ذریعہ ہے اور تنہائی کا بہترین ہمنشین ہے۔

وخير جليس في الزمان كتاب

الحمد اللہ جامعۃ الفلاح نے لائبریری کی واقعی ضرورت و اہمیت کو محسوس کیا ہے اور اسکے

تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش قدمی بھی شروع کر دی ہے چنانچہ ایک معیاری لائبریری بنانے کی تگ و دو جاری ہے۔ لائبریری کی جملہ ضروریات اور جدید سہولیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک وسیع و عریض عمارت کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے مراجع و مصادر کے جدید ترین ایڈیشن کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے دیگر ضروریات کی تکمیل کے لئے بھی اہل علم و اہل خیر حضرات سے رابطے استوار کئے جا رہے ہیں توقع ہے ۱۵ ا اکتوبر ۱۹۹۹ء کو اس "مرکزی لائبریری" کی افتتاحی تقریب کے ذریعہ اسے مزید مہمیز ملے گی اور مستقبل میں ممتاز لائبریریوں کی صف میں آ کھڑا ہوگا بلکہ دیگر تعلیمی اداروں کے لئے مینارۂ نور بن جائے گا۔ انشاء اللہ۔ اللھم زد فزد

فارغات کے نام

اختی العزیزة السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے ہر طرح بخیر و عافیت ہوں۔ ہمیں آپ کو اطلاع دیتے ہوئے انتہائی خوشی و مسرت ہو رہی ہے کہ انجمن طالبات قدیم کا دوسرا اجلاس عام الحمد للہ ۱۶/۱۵ ا اکتوبر ۱۹۹۹ء کو مرکزی لائبریری جامعۃ الفلاح کی افتتاحی تقریب کے ساتھ ہی ہونے جا رہا ہے۔ اس موقع پر درس قرآن، بچیوں کا تعلیمی مظاہرہ، تقسیم اسناد، انعامات کی تقسیم، تنظیمی نشست، انتخابات نیز کچھ فارغات کا پروگرام بھی متوقع ہے۔ امید ہے کہ اس اجلاس عام میں شریک ہو کر اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گی۔ البتہ صرف دور دراز کی فارغات کے لئے ہی رات کے قیام و طعام کا نظم ہوگا۔ رجسٹریشن فیس پچاس (۵۰) روپے ہوگی۔

انجمن طالبات قدیم کا اجلاس آپ کا اپنا اجلاس ہے اسلئے امید ہے کہ اسکو بہتر، موثر اور کامیاب تر بنانے کیلئے آپ اپنا ہر ممکن تعاون پیش کریں گی اور تجاویز و مشوروں سے بھی نوازیں گی۔ براہ کرم اپنے پروگرام سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کے مطابق قیام و طعام کا نظم کیا جا سکے۔ آمد کی اطلاع نہ ملنے کی صورت میں انجمن آپ کے قیام و طعام کی ذمہ دار نہ ہوگی۔ امید ہے کہ بواپسی ڈاک جواب سے مطلع فرمائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو، دعاؤں میں یاد رکھنے کی درخواست ہے۔

نوٹ: یہ اجلاس چونکہ آپ کی لائبریری کے افتتاح کے ساتھ ہی منعقد ہو رہا ہے اس لئے آپ اپنی لائبریری کو خصوصی تعاون، کتاب یا کتاب کی رقم کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کریں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

والسلام

ساجدہ فلاحی

بحث و نظر

مقاصد سے انحراف

تحریر: مصطفیٰ مشہور مرشد عام الاخوان المسلمون

ترجمانی: عبدالحلیم فلاحی

حقیقی مقاصد سے انحراف کر کے جزوی یا فروعی یا ایسے مقاصد اختیار کرنا جو حقیقی مقاصد سے میل نہ کھاتے ہوں، یہ ایک ایسا انحراف ہے جسے سنگین انحراف میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس انحراف کے نتیجے میں خواہ مخواہ افراد کی توانائیاں اور کاوشیں ضائع ہوتی ہیں اور وہ صحیح اسلامی مقصد اور اس کے متوقع نتائج سے دور ہو جاتے ہیں۔

مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے حسن البناء شہیدؒ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد اسلامی حکومت کے قیام اور خلافت راشدہ کی بازیابی کے ذریعے اللہ کے دین کو اس زمین پر غالب کرنا اور سارے انسانوں تک اسلام کو پہنچانا ہے۔

حسن البناء شہیدؒ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے اپنے ایک رسالہ (بین الامس والیوم) میں لکھا ہے "یاد رکھو کہ تمہارے لئے دو بنیادی مقاصد ہیں۔"

۱۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ وطن اسلامی غیر اسلامی اقتدار سے آزاد ہو جائے اور یہ ہر انسان کا فطری حق ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

۲۔ آزاد اسلامی حکومت قائم ہو جو اسلامی احکام کے مطابق کام کرے اور اس کے نظام اجتماعی کو نافذ کرے۔ اسلامی اصولوں کا پرچار کرے۔ اس کی حکیمانہ دعوت لوگوں تک پہنچائے۔ جب تک ایسی حکومت قائم نہیں ہوگی اس وقت تک مسلمان گنہگار ہوں گے اور عند اللہ مسئول ہوں گے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے رسالہ "الاخوان المسلمون تحت رایۃ القرآن" (اخوان المسلمون قرآن کے زیر سایہ) میں بھی اپنی مہم اور مقصد کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے: "اجمالی طور پر ہماری مہم یہ ہے کہ ہم مادہ پرستانہ تہذیب کی سرکش موجوں کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ تہذیب صرف عیش و عشرت اور شہوت

پرستی کی تہذیب ہے۔ اس خدا بیزار تہذیب نے مسلمان قوموں کو برباد کر دیا ہے اور انہیں نبی ﷺ کی پیشوائی اور قرآن کی ہدایت سے دور کر دیا ہے ہم اس وقت تک اس کا مقابلہ کریں جب تک کہ یہ ہماری سرزمین سے نکل نہ جائے اور ہماری قوم اس سے نجات نہ پالے۔ بلکہ ہم آگے بڑھ کر خود اس کی سرزمین میں اس کا پیچھا کریں گے اور اس کے گھر میں اس سے جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ سارا عالم نبی ﷺ کی پیشوائی قبول کرے اور پوری دنیا کو قرآن کی تعلیمات پر یقین ہو جائے۔ اسلام کا سایۂ رحمت پوری دنیا میں پھیل جائے۔ اس وقت وہ مقصد پورا ہوگا جو قرآن نے مسلمانوں کے ذمہ کیا ہے تا کہ شرک باقی نہ رہے اور اطاعت پوری کی پوری اللہ کی ہو۔"

حسن البناؒ شہید نے اپنے رسائل میں متعدد جگہوں پر ان مقاصد کو بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ وہ مقاصد ہیں جن پر اسلام نے پورا زور صرف کیا ہے اور ان کی تکمیل کو ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے واجب قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے خلیفہ کے تقرر کا اہتمام کیا یہاں تک کہ اس کام کی تکمیل کو رسول اللہ ﷺ کی تدفین پر مقدم رکھا۔ اسلام نے حکومت کو ایک رکن کی حیثیت دی ہے اور ہماری فقہ کی کتابوں میں اسے فقہی جزئیات اور فروع کے بجائے عقائد اور اصول میں شمار کیا گیا ہے۔

ان مقاصد کو واضح کرنے کے بعد حسن البناؒ پوری صراحت کے ساتھ کہتے ہیں "لیکن صورت حال جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں یہ ہے کہ شریعت اسلامی کے عملی نفاذ کے لئے کوئی کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے مسلمان مصلحین کا حکومت کے مطالبہ سے پہلوتہی کرنا اسلام کی نگاہ میں جرم ہے اور اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں اور قوت نافذہ کو ان ہاتھوں سے لے لیں جو اسلامی احکام کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔"

دعوت اسلامی کے مذکورہ بالا مقاصد سے انحراف کی ممکنہ صورتیں درج ذیل ہیں:

ا۔ مقاصد کے حصے بخرے کرنا: ایسی صورت کہ عبادت، ذکر، علم، دعوت الی اللہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور نیک اعمال پر اکتفا کیا جائے اور شریعت، حکومت، جہاد، خلافت راشدہ کی بازیابی اور اللہ کے دین کے غلبے کے معاملے کو چھوڑ دیا جائے ایسا کرنا دراصل اسلام

کو مسخ کرنا ہے، اس کی حیثیت کم کرنا ہے اور یہ اسلامی تعلیمات کی غیر صحت مندانہ تطبیق ہے۔ اگر چہ بعض جماعتوں نے ان جزوی مقاصد یا ان میں سے کچھ کو اختیار کر رکھا ہے تو یہ ان کا اپنا معاملہ ہے اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ لیکن یہاں ہماری مراد ان لوگوں سے ہے جو دعوت اسلامی کی راہ پر ان ہی مقاصد کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان سے منحرف ہو کر ان جزوی مقاصد کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر اس کا سبب عافیت کوشی اور ظالم کی ایذا رسانیوں سے بچنا ہے تو یہ ایمان کی کمزوری ہے اور ایسا آدمی اللہ کے سامنے جواب دہی سے نہیں بچ سکتا اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسی ظالمانہ صورت حال میں جس میں اللہ کی شریعت کا نفاذ نہ ہوتا ہو، اس میں نہ تو علم ہی صحیح طریقہ سے ترویج پا سکتا ہے اور نہ ہی دعوت ٹھیک طریقہ پر دی جا سکتی ہے اور نہ ہی عبادت خالص ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت حال میں مسلمان ہمیشہ ذلیل اور غلام بن کر رہیں گے اور ان پر اور ان کی نسلوں پر ایسے گمراہ کن عقائد اور فاسد جاہلی عادات و اطوار مسلط کی جائیں گی جن سے ان کا علم انہیں نہیں بچا سکے گا اور اگر جزوی مقاصد اختیار کرنے کا سبب دشمن قوتوں کے سامنے اپنی عاجزی کا احساس ہے یا یہ کہ دشمن قوتیں ہمارے تمام مقاصد کی تکمیل کی راہ میں مزاحم ہوں گی تو یہ بھی ایمان کی کمزوری اور فہم دین کی کمی ہے۔ اس لئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے قوت کے طالب ہوتے ہیں اور وہی طاقت دینے والا ہے اگر انحراف کا سبب یہ تصور ہے کہ ان مقاصد کا پورا کرنا تمام مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں ہے یا یہ فرض کفایہ ہے تو یہ ایسی غلطی ہے جس کو درست کرنا ضروری ہے۔ جاننا چاہئے کہ ان مقاصد کی تکمیل فرض عین ہے اور اگر مسلمانوں نے اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کام نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوں گے۔

(۲) مقاصد سے انحراف کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی ایک خطے میں اسلامی نظام کے قیام پر اکتفا کیا جائے اور عالمی پیمانے پر اسلامی حکومت کے قیام کی نہ فکر کی جائے اور نہ اس کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا جائے اور نہ اس سلسلہ میں کسی سے کوئی تعاون کیا جائے تو یہ غلط ہے اور ہمارے اس عہد و پیمان کے بھی صریحاً خلاف ہے جو ہم نے دعوت اسلامی کی راہ میں قدم رکھتے وقت کیا ہے اور یہ مسلمانوں کی وحدت اور دعوت اسلامی کی عالمگیریت کے بھی

منافی ہے اور باقی امت اسلامیہ سے الگ تھلگ ہونے کے سبب اس قسم کے لوگوں کا صفایا کرنا دشمنوں کے لئے آسان ہوتا ہے۔

۳۔ حکومت پر قبضے کو ہی ہدف بنا لینا بھی دعوت اسلامی کے مقاصد سے انحراف کی ایک صورت ہے۔ اس کے نتیجے میں آدمی اسلوب اور وسائل کے استعمال میں صحیح اسلامی خطوط سے تجاوز کر جاتا ہے اور حکومت تک پہنچنے کے شوق میں بعض بنیادی اصولوں کی مخالفت کرتا ہے اور اس سلسلے میں معروف سیاسی جماعتوں کے طریقے پر چلتا ہے۔ یہ انحراف کمزور بنیاد کے باعث دعوت اسلامی کے کام کو بڑے سنگین خطرات یا مکمل تباہی سے دوچار کر دیتا ہے۔ اقامت دین اور اس کے غلبے کے لئے کام کرنے اور مجرد حکومت تک پہنچنے کے لئے کام کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے کہ دونوں صورتوں میں استحکام و تسلسل کے لئے ناگزیر بنیادوں میں قوت اور اصلیت کے اعتبار سے آپس میں بڑا اختلاف ہے۔

۴۔ مکمل اسلامی نظام کے قیام کے بجائے حکومت کے بعض شعبوں کو اسلامی بنانے پر راضی ہو جانا بھی ایک طرح کا انحراف ہے اس لئے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کے ٹکڑوں میں حصے بخرے کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ گدھے کے پیر کو آدمی کے ہاتھ سے بدل دیا جائے تو گدھا گدھا ہی رہے گا۔ آدمی کا ہاتھ اس کو ہرگز تبدیل نہیں کرے گا۔ ہم کو اس طرح کے انحراف سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے اس لئے کہ دشمنان اسلام اسلامی حکومت کی بعض مسخ شدہ خالی خولی صورتوں کو پیش کر کے اسلامی بیداری کو ٹھنڈا کرنا اور اس کی لہر کو صحیح سمت سے پھیرنا چاہتے ہیں۔

خوش خبری

ان شاء اللہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء کا شمارہ

"مولانا صدر الدین اصلاحی کی حیات و خدمات"

پر مشتمل خصوصی شمارہ ہوگا۔ خواہش مند ایجنٹ حضرات اپنی مطلوبہ کاپیوں سے فوراً مطلع فرمائیں۔ (منیجر)

بحث و نظر

کیا صاحب قرآن کے ماں باپ کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائیگا؟

ابو سادق کوثر فلاحی

عن زبان بن فائد عن سهل بن معاذ الجهني عن ابيه ان رسول الله ﷺ قال "من قرا القرآن و عمل بما فيه البس والداه تاجا يوم القيامة ضوءه احسن من ضوء الشمس في بيوت الدنيا لو كانت فيكم فما ظنكم بالذي عمل بهذا"

(رواہ ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی ثواب قراءۃ القرآن رقم "۱۴۵۳" ۲/۱۳۸)

ترجمہ: زبان بن فائد نے سہل بن معاذ جہنی سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کیا تو اسکے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا اس کی روشنی سورج کی روشنی سے بہتر ہوگی جبکہ سورج دنیا میں تمہارے گھروں کو روشن کرتا ہے پس اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے اس پر عمل کیا یعنی اس پر عمل کرنے والے کی خوش بختی کے کیا کہنے!

یہ حدیث عوام و خواص سبھوں کی زبان زد ہے حفظ قرآن کی ترغیب و تشویق دلانے کے لئے عموماً سنائی جاتی ہے جب سے حفظ قرآن کے مقابلوں کا سلسلہ زور پکڑ رہا ہے یہ حدیث اور بھی چرچے میں رہنے لگی ہے حتیٰ کہ اس کے کتبات بنوا کر مساجد میں لگائے جاتے ہیں حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے کیوں کہ اس کی سند میں زبان بن فائد کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے اس کے سلسلے میں امام احمدؒ کا قول ہے "اس کی روایت کردہ احادیث منکر ہیں" ابن معینؒ کا قول ہے "وہ ضعیف ہے" ابن حبان نے فرمایا "انتہائی منکر الحدیث ہے اور سہل بن معاذ سے روایت میں وہ تنہا ہے اور ایسی موضوع روایات روایت کرتا ہے جن سے استدلال روا نہیں" امام ساجی کا کہنا ہے "اس کے پاس صرف منکر ہی منکر ہے" اور حافظ ابن حجر کا قول ہے "وہ ضعیف الحدیث گرچہ زاہد و عابد ہے" (۱) اس حدیث کے سلسلہ سند میں سہل بن

معاذ بن انس الجہنی کو بھی ابن معینؒ نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ التہذیب ۲/۱۲۶ میں ہے ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے لیکن انہیں منکر الحدیث بھی ٹھہرایا اور کہا ہے کہ نہیں معلوم انکی حدیث میں گڑبڑی انکی جانب سے ہے یا زبان بن فائد کی جانب سے ہے پس ان دونوں میں سے جو بھی روایت کرے وہ روایت قابل اعتبار نہیں ہوگی اور یہ روایت بھی مشتبہ ہے کیوں کہ سہل بن معاذ سے زبان بن فائد نے روایت کیا ہے گویا معاملہ دوچند ہوگیا ہے۔

امام عجلی کا قول ہے "سہل بن معاذ تابعی اور ثقہ ہیں حافظ ابن حجرؒ نے "التقریب" میں ان کے سلسلے میں کہا ہے "ان سے روایت میں حرج نہیں البتہ زبان سے ان کی روایت میں غلو پایا جاتا ہے" (۲) جب کہ امام ذہبی نے بھی سہل کو ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ الکاشف (۲۱۷۷) میں ہے۔

ان بیانات سے راجح یہی معلوم پڑتا ہے کہ سہل بن معاذ بھی ضعیف ہے کیوں کہ صرف امام عجلی نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے جب کہ ان کے بارے میں معروف ہے کہ وہ متساہل ہیں چنانچہ المنذریؒ نے بھی سہل و زبان دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا کہ سہل بن معاذ ضعیف ہے اور اس سے زبان بن فائد نے روایت کی ہے اور وہ بھی ضعیف ہے (۳)

اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے دیکھئے ۳/۴۴۰ اور اس کی سند میں زبان بن سہل کے ساتھ ساتھ ابن لہیعہ بھی ہے جو ضعفاء میں شمار ہوتے ہیں۔

حدیث کی اس پوزیشن کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے چھپے اور اس سے استدلال میں احتیاط سے کام لیں تا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف غیر منصوص کو منسوب کرنے کا الزام ہمارے سر نہ آئے خصوصا جب کہ حفظ قرآن کی ترغیب و تشویق دلانے کے لئے بہت سی احادیث صحیحہ موجود ہیں چنانچہ ہمیں ان کے حوالے سے یہ کام انجام دینا چاہئے۔

عن عبد الله ابن عمرو بن العاصؓ قال قال رسول اللهﷺ يقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل في الدنيا فان منزلتك عند آخر آية كنت تقرؤها (۴)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صاحب قرآن سے کہا جائے گا پڑھو اور چڑھتے جاؤ اور اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھو جس طرح

دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے کیوں کہ تمہارا ٹھکانہ اس آخری آیت پر ہے جسے تم پڑھتے تھے۔

وعن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول الله ﷺ يقال لصاحب القرآن يوم القيامة اذا دخل الجنة اقرأ واصعد فيقرأ و يصعد لكل آية درجة حتى يقرأ آخر شيئى معه (۵)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا جب وہ جنت میں داخل ہوگا پڑھو اور چڑھو پس وہ پڑھے گا اور ہر آیت پر ایک درجہ بلند ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہ آخر آیت بھی پڑھ کر فارغ ہو جائے گا جو اسے یاد تھی۔

عن ابی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال یجیئی القرآن یوم القیامۃ فیقول یا رب حلہ فیلبس تاج الکرامۃ ثم یقول یارب زدہ فیلبس حلۃ الکرامۃ ثم یقول یارب ارض عنہ فیرضی عنہ فیقال لہ اقرأ وارق و تزاد بکل آیۃ حسنۃ (۶)

ابوہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قرآن قیامت کے دن اللہ کے حضور حاضر ہوگا اور کہے گا اے رب اسے پہنا دے پس صاحب قرآن کو کرامت کا تاج پہنایا جائے گا پھر قرآن کہے گا اے رب اسے مزید نوازدے پس صاحب قرآن کو کرامت کا لباس پہنایا جائے گا پھر قرآن درخواست کرے گا اے رب اس سے راضی ہوجا پس اللہ اس سے راضی ہوجائے گا اور کہا جائے گا پڑھو اور چڑھتے جاؤ اور ہر آیت پر ایک نیکی بڑھادی جائیگی۔

اللہ ہم سب کو صاحب قرآن بنائے اور بلند درجات سے نوازے۔ (آمین)

حواشی

۱۔ التقریب مع التحریر نمبر ۱۹۸۵ ۲۔ التقریب ۲۲۶۷ ۳۔ مختصر سنن ابی داؤد ۲/۱۳۳

۴۔ اخرجہ ابوداؤد (۱۴۶۴) والترمذی (۲۹۱۵) وغیرہم یہ حدیث صحیح ہے اور متعدد طرق سے مروی ہے۔

۵۔ اخرجہ احمد وابن ماجہ یہ حدیث صحیح ہے

۶۔ رواہ الترمذی (۲۹۱۵) فضائل القرآن امام ترمذی نے مزید آگے فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اس کی سند حسن ہے امام دارمی اور حاکم نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

بحث ونظر

شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے ”تراجم قرآنی“ علماء کی نظر میں

محمد نعیم فلاحی
استاذ شعبہ اردو وفارسی، گورنمنٹ کالج اجمیر

کسی زبان کی ادبی تصنیف کا دوسری زبان میں ترجمہ اور بالخصوص قرآن مجید کا ترجمہ ایک دشوار گذار عمل ہے اس ذمہ داری سے وہی شخص صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہو سکتا ہے، جو اصل زبان کی لغات، محاورات، اصطلاحات، تاریخ وادبیات سے نہ صرف گہری واقفیت رکھتا ہو بلکہ جس زبان میں ترجمہ کرنا ہو اس پر اسے ماہرانہ عبور حاصل ہو۔ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ ان تمام اوصاف سے متصف تھے۔ انکے قرآنی تراجم فن کے اعتبار سے قرآن مجید کے اردو تراجم کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔ متعدد مترجمین قرآن اور علماء دین نے انکے بارے میں اپنی آراء کا اظہار کیا ہے جن سے ان کے پایہ استناد کا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مشہور ومعروف مترجم قرآن ڈپٹی نذیر احمد نے ان تراجم کے علمی مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

ایک خاندان کے ایک چھوڑ تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے ایک فارسی شاہ ولی اللہؒ صاحب کا رکھتے دو دو اردو ایک شاہ عبدالقادر اور ایک شاہ رفیع الدین صاحبان کا تو اب ہر ایک کو ترجمہ کا حوصلہ مل گیا، مگر خاندان شاہ ولی اللہ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، وہ ہرگز مترجم نہیں، بلکہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور انکے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ ان ہی ترجموں میں اس نے رد وبدل تقدیم وتاخیر کر کے جدید ترجمہ کا نام کر دیا ہے۔ (۱)

شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کے تقریباً ایک سو تیس برس کے بعد شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے ۱۳۳۶ھ میں شاہ صاحب کے ترجمہ کو اپنے سامنے رکھ کر اپنا ترجمہ ”موضح فرقان“

تحریر فرمایا۔ وہ شاہ صاحب کے ترجمہ سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے ”موضح قرآن“ کی تعریف متعدد صفحات میں فرمائی۔ ان میں بعض اقتباسات پیش ہیں۔

”ترجمہ میں اختصار وسہولت اور الفاظ قرآنی کی لفظی اور معنوی موافقت اور صرفی لغوی معنی پر بس نہیں کرتا بلکہ معنی براری اور غرض اصلی کا ہر موقع پر بہت لحاظ رکھتے ہیں اور ترجمہ میں کبھی ایسا لفظ لاتے ہیں جس کی وجہ سے اگر کسی قسم کا اجمال یا اشکال ہو تو زائل ہو جاتا ہے بسا اوقات ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ فرماتے ہیں اور دوسری جگہ کچھ اور حالانکہ معنی لغوی اس لفظ کے ایک ہی ہیں مگر ہر مقام کے مناسب جدا جدا عنوان سے بیان فرماتے ہیں۔ (۲)

صاحب ”موضح فرقان“ مزید لکھتے ہیں:

”ترجمہ موصوف جملہ تراجم میں ممتاز اور مفید تر نظر آتا ہے اور بے نظیر فہم وانصاف اس کا مستحق ہے کہ سہل ممتنع کے ساتھ ملقب ہو۔ یہ حضرت ممدوح کا کمال ہے کہ ہر موقع پر جملہ امور پیش نظر رہتے ہیں اور ترجمہ میں جیسی حاجت ہو ان کی رعایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق الفاظ بھی سہولت مل جاتے ہیں گویا محاورات ولغات اردو بھی سب سامنے رہتے ہیں، جس کو مناسب سمجھا بے تکلف لے لیا اور اس پر ترجمہ اپنے محدود احاطہ سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ شاہ عبدالقادر جو کہ بامحاورہ ترجمہ کے بانی اور امام ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلاف ممدوحین کے بعد اس زمانے میں جس نے اس میدان میں قدم رکھا اس نے جناب شاہ صاحب ممدوح کا اتباع کیا اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کو اختیار کیا جس پر کسی کا شعر یاد آتا ہے:

ہر مرغ پر زد پر تمنائے اسیری — اول بشگون کرد طواف قفس ما

”اور یہ امر بھی خوب معلوم ہو گیا کہ جیسے شاہ رفیع الدین کا کمال ہے کہ تحت لفظی ترجمہ کا التزام کر کے ایک ضروری حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، ایسے ہی حضرت مولانا عبدالقادر کا یہ کمال ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم وترتیب کلمات قرآن اور معانی لغویہ کو اس حد تک نبایا ہے کہ زیادہ کہتے ہوئے تو ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز کام نہیں۔ اگر ہم ان کے کلام کی خوبیوں کو اور ان

اغراض واشارات کو جو ان کے سیدھے سادے مختصر الفاظ ہیں سمجھ جائیں تو ہم جیسوں کے فخر کے لئے یا اور بھی کافی ہے۔"

بعد ازیں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کا فن تفسیر اور زبان کے لحاظ سے جائزہ لیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ ترتیب قرآنی کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اصل اور ترجمہ کی مطابقت میں بہت زیادہ سعی فرماتے ہیں، مگر چونکہ ترجمہ بامحاورہ کا التزام کیا ہے اس لئے بضرورت توضیح وتسہیل بعض مواقع میں تقدیم وتاخیر لازم ہے مگر جیسا کہ آئیگا بہت کم۔"

حضرت شاہ عبدالقادر چند باتوں کا بہت لحاظ رکھتے ہیں:

"ترجمہ میں اختصار وسہولت اور الفاظ قرآنی کی لفظی اور معنوی موافقت اور صرف لفظی معنی پر بس نہیں بلکہ مرادی اور غرض اصلی کا ہر موقع میں بہت لحاظ رکھتے ہیں اور ترجمہ میں ایسا لفظ لاتے ہیں جسکی وجہ سے اگر کسی قسم کا اجمال یا اشکال ہو تو زائل ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ فرماتے ہیں اور دوسری جگہ کچھ۔ حالانکہ معنی لغوی اس لفظ کے ایک ہی ہیں مگر ہر مقام کی مناسبت جدے جدے عنوان سے بیان فرماتے ہیں، جس سے قرآن کی غرض اور مراد سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسی سہولت اور وضاحت کی رعایت سے کبھی مضمون ایجابی کو عنوان سلبی میں ادا کرتے ہیں اور اکثر مواقع میں نفی اور استثناء کے جدا جدا ترجمہ نہیں کرتے بلکہ حصر جو اس سے مقصود ہے۔ اس کو مختصر ہلکے لفظوں میں محاورہ کے موافق بیان کر جاتے ہیں حال، تمیز، بدل وغیرہ حتی کہ مفعول مطلق کے عنوانات کی رعایت رکھتے ہیں۔"

خوبی زبان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور خوبی یہ ہے کہ اردو کے محاورہ کے موافق باجملہ الفاظ اور معنی دونوں کے متعلق بوجوہ متعدد بہت غور اور رعایت سے کام لیا گیا ہے اور مطالب ومقاصد کی تسہیل وتوضیح میں پورے غوض اور احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔" (۳)

مولانا سید سلیمان ندوی کا قول ہے:

"شاہ عبدالقادر کے ترجمہ اور حواشی کی خوبی کا اصلی اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے

خود قرآن پاک کو سمجھنے کی تھوڑی کوشش کی ہے۔" (۴)

مستند مترجم قرآن مولوی فتح محمد جالندھری شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اردو میں شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن اپنے وقت کی زبان کے اعتبار سے نہایت خوش محاورہ تھا اور حقیقت میں اسکے چھوٹے چھوٹے جملے، میٹھے میٹھے الفاظ، اس کی پیاری پیاری زبان ایسی ہے کہ اب بھی جو سنتا ہے سر دھنتا ہے۔" (۵)

علامہ انور شاہ کشمیری اپنے شاگردوں کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ دیکھو اور بعض مسائل جو تفسیر سے حل نہیں ہوتے وہ اس ترجمہ سے حل ہو جاتے ہیں۔ (۶)

مولانا حیدر حسن خاں فرماتے ہیں کہ مولانا مظہر نانوتوی بانی مظاہر علوم سہارن پور تفسیر پڑھانے کے بعد سب سے آخر میں شاہ صاحب کا ترجمہ پڑھاتے تھے۔ (۷)

خواجہ عبدالحی صاحب سابق استاذ تفسیر ناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو یہ اولین فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اس ظلمت آباد ہند میں ترجمۃ القرآن کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کو پھر اسی چشمہ حیات کی طرف لے آئے جو عربی سے ناواقف ہونے کی بنا پر اللہ کی کتاب سے بعد وہجرت اختیار کر چکے تھے۔ اس کے بعد ان کے مایہ ناز فرزند سعید حضرت شاہ عبدالقادر نے اس کو اردو کا جامہ پہنا کر بقائے دوام کا زرین تاج اپنے سر پر رکھا اور بلا خوف وتردید کہا جا سکتا ہے کہ آج سرزمین ہند میں قرآن مجید کے جس قدر تراجم ملتے ہیں سب کے سب اسی 'موضح قرآن' کے خوشہ چیں ہیں۔" (۸)

مولانا سید حامد علی مترجم "فی ظلال القرآن" لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب کے بعد ان کے ایک صاحب زادے شاہ رفیع الدین صاحب نے اردو میں قرآن مجید کا لفظی ترجمہ کیا جو اردو کا قدیم بہترین نثری نمونہ اور قرآن مجید کا بہترین ترجمہ ہے۔ جس پر جتنا غور کیجئے اس کی لطافتیں واضح ہوتی چلی جاتی ہیں۔ شاہ عبدالقادر نے ترجمہ کے علاوہ مختصر تفسیری حواشی بھی لکھے یہ حواشی خاص افادیت کے حامل ہیں۔ (۹)

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کے بقول اہل علم اور ارباب طریقت اس ترجمہ کو "الہامی ترجمہ قرار دیتے ہیں وہ مزید لکھتے ہیں کہ" ترجمہ کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ

شاہ صاحب کی مجتہدانہ بصیرت کا پتہ دیتا ہے اور موصوف کا تخلیقی کمال ایک ایک جملہ کے اندر منھ سے بولتا ہے"۔ (۱۰)

مولانا فاروق خاں صاحب مترجم قرآن مجید (ہندی) شاہ عبدالقادر کے ترجمہ اور حواشی پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ ترجمہ مختلف پہلوؤں سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اس ترجمہ کی زبان نہایت آسان اور عام فہم ہے۔ جن لوگوں نے اس ترجمہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ ترجمہ سہل ممتنع کی اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے علاوہ اس ترجمہ میں عجیب کیف واثر پایا جاتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے محض ترجمہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایک ایک آیت کی روح تک اترنے کی کوشش کی ہے۔ پھر اس سے جو اثر ان کے دل میں پیدا ہوا ہے اسے بھی اپنے ترجمہ کے ذریعہ سے محفوظ کر دینے کی سعی فرمائی ہے۔ ان کی کوشش تصنع وتکلف سے یکسر پاک ہے۔

شاہ صاحب نے ترجمہ کے علاوہ مختلف تفسیری حواشی لکھے ہیں۔ یہ حواشی بھی بیش قیمت ہیں حواشی کی زبان بھی سادہ اور دل کش ہے حواشی کے اکثر مختصر فقرے اتنے جامع ہیں کہ اس میں بہت سے پھیلے ہوئے مضامین کو بڑی فنکاری اور کمال حکمت کے ساتھ سمیٹ لیا گیا ہے اگر ان میں فکر وتدبر سے کام لیا جائے تو کتنے ہی علمی گوشے سامنے آسکتے ہیں جو شاہ صاحب کے ذہن وکمال اور بیداری دل کا پتہ دیں گے۔ (۱۱)

مولانا سید انظر شاہ صاحب استاد تفسیر وحدیث دار العلوم دیوبند خانوادہ شاہ ولی اللہ کی خدمات قرآنی کا ذکر کرتے ہوئے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"پھر اسی خاندان کے گوہر شب چراغ حضرت شاہ عبدالقادر نے قرآن حکیم کا بنام "موضح قرآن" جو ترجمہ مختصر تشریح کیا ہے بقول دیدہ ور علماء وہ ایک الہامی ترجمہ ہے۔"

اس ترجمہ میں عربی کی شوکت وحشمت، حلاوت وجزالت، قرآن کے اعجاز وایجاز، فصاحت وبلاغت کو حضرت شاہ صاحب نے جس کامیابی اور کامرانی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے در اصل وہ انسانی کارنامہ نہیں، بلکہ الہام ربانی ہی کہا جاسکتا ہے ترجمہ تو

سینکڑوں ہوگئے، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے لیکن اس اعلان میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادر کی انفرادیت ہمیشہ محفوظ رہے گی جن میں قرآن پاک کا ادنیٰ ذوق بھی ہے وہ آج بھی شاہ صاحب کا ترجمہ دیکھتے اور سر دھنتے ہیں۔

دانشوروں کے بارے میں سنا بھی اور دیکھا بھی کہ وہ اس ترجمہ کے ایک ایک لفظ کو گنج شاہوار کا درجہ دیتے تھے کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی اسلوب قرآن کو اس کی تمام رنگینیوں کے ساتھ، بیانات قرآن کو اس کی تمام شوکتوں کے ساتھ اردو جیسی تنگ زبان میں منتقل کرنے میں کامیاب ہو۔ مگر خدائے ذو المنن تربت شاہ عبدالقادر پر رحمتوں کی بارش برسائے کہ اس عالم ربانی نے اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور قرآن کی ان نزاکتوں کو اپنے ترجمہ میں محفوظ فرمایا، جنھیں شاعرانہ تخیل بھی اپنی رفعتوں کے باوجود گرفت میں نہیں لاسکتا۔ اس لئے اردو کے ایک صاحب طرز ادیب کا مقولہ ہے کہ

"اگر قرآن اردو میں نازل ہوتا تو وہ حضرت شاہ عبدالقادر کا لب ولہجہ ہوتا۔" (۱۲)

مولانا عبدالسلام قدوائی سابق مدیر معارف لکھتے ہیں:

"قرآن کریم کے ترجمے بہت ہوئے اور ہو رہے ہیں لیکن شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ اور تفسیری فوائد کو جو مقبولیت حاصل ہے وہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوگی۔ سوا ڈیڑھ سو برس میں اردو کا اسلوب بہت بدل گیا ہے۔ (۱۳)

موضح قرآن کی سند کی اجازت

ان اقوال کے علاوہ علمی حلقوں میں شاہ عبدالقادر صاحب کے موضح قرآن کو جو اہمیت حاصل رہی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اساتذہ باقاعدہ اپنے تلامذہ کو اس کی روایت کی اجازت دیا کرتے تھے۔

پرانے زمانے میں علوم معقولات ومنقولات کے سلسلے میں یہ طریقہ رائج تھا کہ اساتذہ اپنے طلبہ کو متعلقہ علم کی روایت کی اجازت دیا کرتے تھے مثلاً علم حدیث کے سلسلے میں محدثین کو سند حاصل ہوتی تھی اور وہ اپنے شاگرد اور رفقاء کو اجازت دیا کرتے تھے آج

بھی درس نظامی کے بڑے مدارس میں یہ طریقہ رائج ہے اور بالخصوص فن حدیث اور صحاح ستہ کی کتب کی باقاعدہ روایت کی اجازت دی جاتی ہے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی نے لکھا ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد ماجد سید عبدالحی کی نانی سید حمیراء کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان کو حضرت شاہ عبدالقادر کی صاحبزادی (جن سے غالباً سفر حج میں ملاقات ہوئی ہوگی) شاہ صاحب کی مقبول تفسیر موضح قرآن کی روایت کی اجازت دی تھی اور ان کے نواسے مولانا سید عبدالحی صاحب کو ان ہی سے روایت اور اجازت حاصل ہوئی۔ (۱۴)

مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے متعلق بھی یہ روایت ہے کہ وہ درس حدیث سے پہلے دورکوع موضح قرآن کے طلباء کو پڑھایا کرتے تھے اس کے بعد درس حدیث کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ (۱۵)

حواشی

۱۔ محاسن موضح قرآن۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ص ۳۱
۲۔ قرآن حکیم کے اردو تراجم۔ ڈاکٹر صالحہ شرف الدین۔ ص ۱۷۸
۳۔ قرآن حکیم کے اردو تراجم۔ ڈاکٹر صالحہ شرف الدین۔ ص ۱۸۲
۴۔ جائزہ تراجم قرآنی۔ مولانا محمد سالم قاسمی۔ ص ۴۱
۵۔ قرآن حکیم کے اردو تراجم۔ ڈاکٹر صالحہ شرف الدین۔ ص ۱۹۰
۶۔ شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی۔ مولانا محمد فاروق خاں۔ ص ۴۱
۷۔ شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی۔ مولانا محمد فاروق خاں۔ ص ۴۱
۸۔ قرآن حکیم کے اردو تراجم۔ ڈاکٹر صالحہ شرف الدین۔ ص ۱۹۱
۹۔ شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی۔ مولانا محمد فاروق خاں۔ ص ۶
۱۰۔ محاسن موضح قرآن۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ص ۲۵
۱۱۔ شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی۔ مولانا فاروق خاں۔ ص ۲۳
۱۲۔ مستند موضح قرآن۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ص ۷
۱۳۔ مستند موضح قرآن۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ص ۸
۱۴۔ محاسن موضح قرآن۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ص ۴۸
۱۵۔ محاسن موضح قرآن۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ص ۴۸

طاؤس بن کیسانؒ

ابوجلیس ندوی

وہ تابعی تھے لیکن ان کی شخصیت میں صحابیت کی شان جمال تھی۔ کئی بعد دیگرے پچاس صحابہ کی صحبت میں رہتے رہتے ان کا کمال ایمان صحابہ کے کمال ایمان کی طرح ستاروں کا ہمراز و دمساز ہو گیا تھا۔ ان کی رفتار و گفتار، عادات و اطوار، عبادات و اخلاق حتیٰ کی خواہشات وجذبات بھی اوصاف صحابیت کا گویا شفاف آئینہ تھا۔ دنیا سے بے نیاز و بیزار، رحمت مولیٰ کے طلبگار ہمہ تن خوشنودی رب اکرم میں محو سرشار یہ تھے یمن کے رہنے والے طاؤس بن کیسانؒ جلیل القدر تابعی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد ہر کہ ومہ کے دل پر حجاج بن یوسف کا رعب و دبدبہ اپنا سکہ جما چکا تھا۔ حجاج نے اپنے بھائی محمد بن یوسف کو یمن کا گورنر بنا کے بھیجا جو برائی میں تو حجاج سے بھی دس قدم آگے تھا لیکن اس کی اچھائیاں اس کو چھو کے بھی نہیں گزری تھیں۔

ایک بار جاڑے کے سخت دن میں وہب بن منبہ کو ساتھ لے کر طاؤس بن کیسانؒ اس کے پاس پہنچ گئے۔ معززین شہر کی ایک جماعت حلقہ بنا کے اس کے گرد بیٹھی تھی۔ دربار میں پہنچتے ہی طاؤسؒ تذکیر کرنے لگے تا کہ ایک گرویدہ دنیا کو آخرت کا امیدوار و طلبگار بنا دیں۔ دوران تذکیر گورنر نے خادم کو حکم دیا کہ حجرۂ خاص سے ایک قیمتی چادر لا کر طاؤسؒ کے شانے پر ڈال دے۔ خادم اٹھا اور حکم بجا لایا۔

طاؤسؒ وعظ کہتے رہے اور ساتھ ہی اپنے شانے کو اس طرح حرکت دیتے رہے کہ وہ سرک کر نیچے آ رہے۔ بالآخر چادر شانے سے گر گئی اور جیسے ہی گری وہ وہاں سے چلتے بنے۔ باہر آ کر وہبؒ نے کہا بارود کے اس ڈھیر کو شتابہ دکھا کے اچھا نہیں کیا۔ چادر قبول

کر لیتے تو کیا حرج تھا۔ اگر استعمال نہ کرنا تھا تو اسے بیچ دیتے اور قیمت کا صدقہ کر دیتے۔

طاؤسؒ نے کہا بات تو ٹھیک ہی تھی لیکن میں اس بات سے ڈرا کہ بعد کے علماء کہیں گے کہ طاؤسؒ نے لیا تھا اس لئے ہم بھی لیتے ہیں لیکن لینے کے بعد اسے صدقہ کرنے کے بجائے اپنی ذات کے عیش و آرام پر خرچ کریں گے اور یہ نہیں کہیں گے کہ طاؤسؒ نے صدقہ کیا تھا اس لئے ہم بھی صدقہ کرتے ہیں۔

محمد بن یوسف کے دل کی چنگاری رفتہ رفتہ انگارہ بن گئی۔ اس نے طے کر لیا کہ اس گستاخی کا ان کو ضرور مزا چکھائے گا۔

اس نے سات سو دینار کی ایک تھیلی تیار کی۔ اپنے حاشیہ برداروں میں سے ایک بڑے ہی ماہر حیلہ گر کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ یہ تھیلی طاؤس کو دے آئے۔ اس کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ طاؤسؒ امراء کے اس طرح کے تحائف قبول نہیں کرتے اس لئے اس نے اس حیلہ گر کو بڑی بڑی ترغیب دی اور اسے یہ لالچ بھی دیا کہ اگر کسی حیلے سے وہ یہ تھیلی طاؤسؒ کو دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کو سرکاری اعزاز و انعام سے نوازا جائے گا۔

وہ تھیلی لے کر طاؤسؒ کے پاس پہنچا، ادب سے سلام کیا اور بیٹھ کر دیر تک انس و محبت کی باتیں کیں۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اپنائیت کا جذبہ ان کو مخمور کر چکا ہے اور اب وہ محبت کی کسی پیش کش کو رد نہیں کر سکیں گے تو اس نے وہ تھیلی بڑی محبت اور تعظیم سے ان کی خدمت میں پیش کی اور کہا

گورنر نے از راہ محبت و عقیدت یہ نذر پیش کی ہے اور اخلاق و مروت کے شستہ جذبات کا نذرانہ ہے۔ اسے قبول کر کے ہماری عقیدتوں کو اعتبار و اعتماد کا سہارا دیں۔ طاؤسؒ نے کہا، کوئی ضرورت ہوتی تو لینے میں کوئی تردد نہیں لیکن بلا ضرورت اس کو لے کر کیا کروں گا؟ سوائے اس کے کہ ایک بوجھ سر پر لادے پھروں۔ اس لئے لے کر جاؤ اور کسی ایسے شخص کو دو جو ضرورت مند ہو۔

یہ سن کر اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ پھر اس نے بھی بڑے بڑے حیلے تراشے کہ وہ کسی طرح کسی بہانے تھیلی قبول کر لیں۔ لیکن ان کی نہیں کو وہ رام نہ کر سکا۔ آخر

جب اس کے سارے حیلے حوالے بیکار ہو گئے تو اس نے موقع پا کر بے خبری میں وہ تھیلی دیوار کے ایک غار میں چپکے سے رکھ دی اور گورنر کے پاس آ کر یہ خوش خبری سنائی کہ وہ تھیلی طاؤس نے قبول کر لی۔

گورنر خوش ہو گیا اور حسب وعدہ اسے اعزاز و اکرام سے نوازا۔

کچھ دن بیتنے کے بعد گورنر نے دو آدمی پھر طاؤسؒ کے پاس بھیجے، ان کے ساتھ اس حیلہ گر کو بھی بھیجا جو تھیلی لے کر گیا تھا۔

ان سے گورنر نے کہا کہ وہ تھیلی طاؤس سے واپس مانگ کر لائیں۔ ان سے کہیں کہ یہ تھیلی کسی اور کو دینی تھی لیکن غلطی سے آپ کے پاس آ گئی۔

طاؤسؒ کے پاس پہنچ کر ان لوگوں نے تھیلی واپس مانگی۔

طاؤس نے کہا وہ تھیلی میں نے لی ہی نہیں تھی۔ ان لوگوں نے کہا ہاں آپ نے شروع میں لینے سے انکار کیا تھا لیکن بعد میں لے لی تھی۔ طاؤس نے تھیلی لانے والے سے پوچھا تو اس نے کہا کہ تھیلی آپ نے نہیں لی تھی لیکن آپ سے نظر بچا کر میں نے دیوار کے اس غار میں رکھ دی تھی۔ طاؤسؒ نے کہا جہاں رکھی تھی وہاں دیکھو۔ وہاں دیکھا گیا تو مکڑی نے جالے بن دئے تھے اور تھیلی جوں کی توں پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے اٹھایا اور گورنر کے پاس لے کر آ گئے۔

محمد بن یوسف نے طاؤس کو رسوا کرنے کی جو چال چلی، اللہ نے اس کا انتقام کیسے لیا؟ طاؤس کی زبانی سنئے:

وہ بیان کرتے ہیں کہ

میں حج کے ارادے سے مکہ حاضر ہوا تو حجاج نے مجھے بلایا۔ میں پہنچا تو اس نے ایک گاؤ تکیہ پیش کیا اور کہا کہ ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھئے۔ پھر حج کے مسائل پوچھنے لگا۔ اس دوران تلبیہ کی ایک ایسی درد بھری پر سوز آواز کانوں میں آئی کہ سن کے دل مچل اٹھا۔

حجاج نے اس تلبیہ کہنے والے کو بلایا۔ اس سے پوچھا تم کون ہو؟

اس نے جواب دیا میں ایک مسلمان ہوں۔

حجاج نے کہا میرا مقصد یہ تھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟

اس نے کہا یمن سے۔

حجاج نے پوچھا بتاؤ تمہارا گورنر کیسا ہے؟

اس نے کہا بڑا ہی صحت مند، فربہ اندام، خوش خوراک اور خوش پوشاک، سیر و تفریح کا دلدادہ اور شاندار سواریوں کا شوقین۔

حجاج نے کہا میرا مقصد یہ نہیں تھا۔

اس نے پوچھا کہ پھر کیا مقصد تھا؟

حجاج نے کہا اس کی سیرت و کردار کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔

اس نے کہا وہ بڑا ہی ظالم، جفاکار و بداطوار، اللہ کا نافرمان اور دنیا والوں کا مطیع و فرمان۔

شرم سے حجاج کا چہرہ پیلا پڑ گیا، پھر کہا وہ میرا بھائی ہے پھر بھی یہ بات کہنے کی جرأت تمہیں کیسے ہوئی؟

اس نے کہا اگر میں جانتا ہوں کہ وہ آپ کا بھائی ہے تو آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس کے گھر کی زیارت کے لئے آیا ہوں، تو بتایئے کہ کیا بھائی سے آپ کے تعلق کو سامنے رکھ کر جھوٹ بولوں یا اللہ سے اپنے تعلق کا پاس و لحاظ کر کے سچ بولوں۔

حجاج خاموش ہو گیا اور بھائی کی سرزنش کی۔

اجلاس عام اور تعطیل رمضان کی وجہ سے
اگلا شمارہ نومبر و دسمبر ۱۹۹۹ء
کا مشترکہ شمارہ ہوگا۔

جین مت (۵)

انیس احمد فلاحی

جینی فرقے جین مت کے مشہور فرقے دو ہیں (۱) سوتامبر (۲) دگامبر

تفریق کا آغاز اور اس کے اسباب جین مت میں فرقہ بندی کا آغاز ۸۰ء میں ہوا، فرقہ بندی کی توجیہ میں دونوں فرقوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے سوتامبر فرقے کے مطابق اس کی ابتداء شوبھوتی نامی ایک سادھو سے ہوئی جس نے ایک معمولی سی بات پر ناراض ہو کر بالکل ننگے رہنے کی بدعت شروع کی اور اس طرح ننگے رہنے والے دگامبر (دگ فضاء آسمان، امبر لباس یعنی فضا کا لباس پہننے والے) سادھوؤں کی جماعت قائم ہوئی جنھوں نے اپنے کو سوتامبر (شو سفید امبر لباس یعنی سفید کپڑے کا لباس پہننے والے سادھوؤں سے الگ کر لیا اور دونوں جماعتیں الگ الگ فرقہ بن گئیں۔

دگامبر فرقہ کے نزدیک جین مت میں شروع ہی سے سادھوؤں کے ننگے رہنے کا اصول تھا جیسا کہ خود مہاویر جین کی زندگی سے ثابت ہے کہ انہوں نے جینی ریاضت کے ابتدائی حصہ میں ہی لباس کی قید سے بھی آزادی حاصل کر لی تھی البتہ جب چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں شمالی ہندوستان میں قحط سالی کے باعث بھدرا بہو کی زیر نگرانی بارہ ہزار سادھو جنوبی ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے تو شمالی ہندوستان میں باقی رہ جانے والے سادھوؤں نے بہت سی بدعات اختیار کر لیں جن میں سب سے زیادہ مختلف فیہ سادھوؤں کا لباس پہننا تھا جب بھدرا بہو کچھ عرصہ بعد شمالی ہندوستان واپس آئے تو انہوں نے یہاں کے سادھوؤں کی ان بدعات پر اعتراض کیا جس پر ان سے غیر مطمئن سادھوؤں نے اپنی ایک الگ جماعت کی تشکیل کر لی جو اردا پہلکا کہلائی اور جس نے بعد میں ۸۰ء کے قریب سوتامبر فرقے کی شکل اختیار کر لی۔ مشہور جین محقق ہرمین جیکو کی رائے میں دونوں فرقوں کے اختلافات جینیوں کی دو الگ الگ جماعتوں کے عرصہ دراز تک ایک دوسرے سے دور

اور غیر متعلق رہتے ہوئے پیدا ہوئے ہوں گے اور یہ کہ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں دونوں جماعتیں اپنے باہمی اختلافات سے باخبر ہوئی ہوں گی۔

دونوں فرقوں کے مابین پائے جانے والے اہم اختلافات

دونوں فرقے جین مت کے بنیادی اصولوں میں متفق ہیں البتہ بعض عقائد اور جزئی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے جن کی تعداد ۸۴ ہے اہم مختلف فیہ عقائد و مسائل درج ذیل ہیں۔

(۱) دگامبر فرقہ کے نزدیک نجات دنیا اور اسباب دنیا سے مکمل علیحدگی کے بغیر ممکن نہیں اسی لئے اس فرقہ کے سادھو ننگے رہتے ہیں اور اپنے ساتھ صرف کتاب مقدس ایک مورچھل اور طہارت کے لئے ایک لوٹا رکھتے ہیں ہندوستان میں ثقافتی مرکزوں، ہوائی اسٹیشنوں، ریلوے اسٹیشنوں اور مذہبی مقامات پر ننگی تصویریں اسی فرقہ کی نمائندگی کرتی ہیں۔

دگامبر فرقہ کے برعکس سوتامبر فرقہ کے سادھو بنیادی ضرورتوں کے تحت رسائل حاجیہ کا استعمال کرتے ہیں نیز دن میں دو بار برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں جب کہ دگامبر کی سادھوؤں میں صرف ایک بار ہاتھ پر رکھ کر کھانا کھاتے ہیں۔

(۱) دگامبر فرقہ کے نزدیک عورتیں نہ تو سادھو بن سکتی ہیں اور نہ ہی موکش پا سکتی ہیں کیوں کہ ان کے بغل میں ایک چھوٹا سا کیڑا ہوتا ہے جو بغل کی حرکت سے مرجاتا ہے نیز ہر ماہ میں انہیں حیض آتا ہے جس کی وجہ سے گہرا مراقبہ ان کے لئے ممکن نہیں البتہ عورتیں آئندہ جنم میں مرد کی شکل میں جنم لے کر موکش حاصل کرسکتی ہیں جب کہ سوتامبر فرقہ کے نزدیک عورت اپنے ہی روپ میں موکش حاصل کرسکتی ہے۔

(۳) دگامبر کے نزدیک عارف کامل (کامل رشی.......... بلا غذا کے زندگی گذارتے ہیں جب کہ سوتامبر فرقہ کے نزدیک انسان کسی بھی حالت میں غذا سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

(۴) دگامبر فرقہ کے نزدیک جین مت کی تمام اصلی کتابیں چند صدیوں بعد ہی ضائع ہوگئیں اور ان قدیم ناموں سے موسوم کتابیں جعلی ہیں جب کہ سوتامبری ان کو اصلی

مانتے ہیں۔

اسی طرح مہاویر جین سوامی کی زندگی کے حالات کے سلسلے میں بھی دونوں فرقوں میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے جس میں اہم چیزیں یہ دو ہیں۔

الف: مہاویر کا جنین، دیونندا کے رحم سے الگ کرکے ترشلا کے رحم میں نہیں ڈالا گیا جیسا کہ شیوتامبروں کا دعویٰ ہے۔

ب: دگامبروں کے مطابق مہاویر جین نے کبھی شادی نہیں کی اور اوائل عمر میں ہی سنیاس اختیار کرکے ریاضت میں لگ گئے تھے جب کہ سوتامبری یہ مانتے ہیں کہ مہاویر جین کی شادی بھی ہوئی اور انوجا نام کی ایک بچی بھی پیدا ہوئی نیز وہ اپنے والدین کی نارضامندی کی وجہ سے ان کے انتقال تک سنیاس نہیں لے سکے بلکہ والدین کے انتقال کے بعد بڑے بھائی کی اجازت حاصل کرکے سادھو بنے۔

تہوار جین مت کے تمام ہی بنیادی اور اہم تہوار مہاویر یا جین سوامی کی زندگی کے اہم واقعات (رحم مادر میں ان کا استقرار حمل، یوم پیدائش، اسباب دنیا سے علیحدگی، علم مطلق اور نروان کا حصول) کی مناسبت سے منائے جاتے ہیں۔

جین مذہب میں پائے جانے والے تہواروں میں سب سے اہم تہوار و پار یوسانا (Paryusana) ہے یہ تہوار ماہ اگست و ستمبر میں منایا جاتا ہے اس تہوار میں پوری دلجمعی کے ساتھ دوسروں کی خدمت کرنا، راہبوں کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنا، اور ریاضت و مراقبہ کی خاطر کسی گوشہ تنہائی میں معتکف ہوجانا مستحب و پسندیدہ سمجھا جاتا ہے یہ تہوار کئی دن تک رہتا ہے۔ جس میں ایک دن اعتراف جرم کی تقریب کے لئے مخصوص ہوتا ہے جس کا مقصد دانستہ یا نادانستہ طریقہ سے کئے گئے گناہوں کے اثرات کا ازالہ ہے۔

اس تہوار کے آخری دن، فقراء و مساکین میں خیرات تقسیم کی جاتی ہے اور مہاویر کے مجسمہ کے ساتھ گلی کوچوں میں جلوس نکالا جاتا ہے۔

(Oli) اولی کا تہوار سال میں دو مرتبہ نو دنوں کے لئے منایا جاتا ہے اس تہوار میں مہاویر کے مجسمے بنائے جاتے ہیں اور ان مجسموں کے سامنے عقیدت و محبت کے نذرانے

پیش کئے جاتے ہیں۔

مہاویر جین سوامی کے نروان پانے کی مناسبت سے اکتوبر اور نومبر کی چودھویں رات کو جینی چراغاں کا تہوار مناتے ہیں جس میں، گھروں، گلیوں، اور بازاروں کو چراغوں سے مزین کیا جاتا ہے، ان پنچمی کے پانچ یوم بعد عبادت کا تہوار منایا جاتا ہے۔ جس میں مندروں میں جا کر تیرتھنکروں کے فرضی مجسموں کی پرستش کی جاتی ہے نیز ماہ اپریل میں مہاویر کی پیدائش کی مناسبت سے بھی خوشیوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔

ان تہواروں کے علاوہ جینی بعض ایسے تہوار بھی مناتے ہیں جو ہندوؤں اور جینیوں میں مشترک ہیں جیسے ہولی، لورتھا وغیرہ جنوبی ہند میں موسم بہار کی مناسبت سے ایک تہوار منایا جاتا ہے جسے Pongal Festival کہا جاتا ہے۔

جینیوں کے علاقے اور ان کی آبادی جین مذہب اپنے الحاد اور مسائل حیات سے فرار اختیار کرنے کی بنا پر ہندوستان سے باہر نہ پھیل سکا اور یہاں بھی ان کی آبادی مسلم دورِ حکومت میں سمٹ کر صرف گجرات میں رہ گئی تھی۔ سن 1951ء کی مردم شماری کی رو سے ان کی تعداد سولہ لاکھ اٹھاون ہزار چار سو پانچ (۱۶۱۸۴۰۵) ہے۔ اقتصادی اعتبار سے یہ کافی مضبوط ہیں کیونکہ ان کی اکثریت بینکوں میں کام کرتی ہے۔

جین مت کے زوال کے اسباب جین مت کے زوال کے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔ پرجوش داعیوں کا فقدان جین دھرم کی تنزلی کا بنیادی سبب بعد کی صدیوں میں پرجوش و مخلص مبلغین کا فقدان ہے۔ آنے والی صدیوں میں ایثار و قربانی کی وہ روایات نہ رہیں جو مہاویر اور ان کے رفقاء میں پائی جاتی تھیں، جس کی وجہ سے ان کے اندر خود فراموشی کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ عبادات و ریاضات کی جگہ تساہل و کسلمندی نے لے لیا۔ قناعت پسندی اور سادگی جاتی رہی جس سے تبلیغ و اشاعت کا وہ جذبہ بھی جاتا رہا جو کبھی پہلے ان کے اسلاف کے اندر پایا جاتا تھا۔

۲۔ داخلی افتراق و انتشار سن ۸۰ء کے لگ بھگ جین مت دو بڑے فرقوں میں تقسیم

ہو گیا اور بعد کی صدیوں میں جینی عالموں کی کوششوں کا محور تبلیغ و اشاعت کے بجائے اپنے اپنے فرقے کی توسیع و استحکام قرار پایا جس سے اشاعت کا کام رک گیا اور داخلی انتشار و تفرق کی بنا پر جین مت روبہ زوال ہو گیا۔

۳۔ ہند میں دوسرے مذاہب کا عروج جین مت کے زوال میں چھٹی صدی عیسوی میں ہندو دھرم کے مشہور و معروف فرقے (شیومت اور وشنومت) کے ظہور نے کافی اہم رول ادا کیا ہے۔

جنوبی ہند میں شیومت کا ظہور ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن صوبوں میں جین مت کو تحفظ حاصل تھا وہاں اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ چول راجاؤں نے مدورا کے جین مندروں کو شیو مندروں میں تبدیل کر دیا۔ آخری چالوکیہ راجہ نے جین بتوں کو ہٹا کر شیو بتوں کو نصب کر دیا۔

مہاتما رامانوج سوامی نے میسور میں وشنو دھرم کا اثر بتدریج غیر محسوس طریقے سے بڑھانا شروع کیا۔ اڑیسہ میں بھی وشنومت کے مبلغوں نے اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا۔

مزید برآں بودھ دھرم کی تبلیغی کوششوں نے جین مت کی رہی سہی ساکھ کو بھی ختم کر دیا۔

ان اہم اسباب کے علاوہ جین دھرم کے زوال میں رابطہ عامہ میں کمی، سرکاری سرپرستی کا فقدان اور برہمنوں کی سازشوں کا اہم رول رہا ہے۔

دعا

عطا عابدی

دینے والے میری آنکھوں کو وہ بینائی دے
جس طرف دیکھوں ترا نور ہی دکھلائی دے

داغ پیشانی کا محشر میں قمر سا چمکے
میرے مولا مجھے وہ ذوقِ جبیں سائی دے

میری تحریر سے تقریر کا جادو جاگے
میرے اسلوب کو اندازِ مسیحائی دے

شوق دے گلشنِ طیبہ کی زیارت کا مجھے
اپنے محبوب سے اک ربطِ شناسائی دے

تجھ سے اس عاجز و ناچار عطا کی ہے دعا
دسترس فن پہ دے، افکار میں گہرائی دے

ذکر جلیلؒ (۵)

عبدالباری فلاحی

گزشتہ شماروں میں "دیوان الحماسۃ" اور بعض "معلقات" سے مرتب کردہ نظائر قرآنی نقل کیے گئے تھے۔ بقیہ "معلقات" اور "مجمہرات" سے ترتیب شدہ نظائر دیے جا رہے ہیں۔ دیگر جاہلی شعراء کے کلام سے ماخوذ نظائر قرآنی ان شاء اللہ آئندہ نقل کیے جائیں گے۔

۱۰۳ مور (الطور:۹) قال طرفة بن العبد
تباری عتاقا ناجیات واتبعت　　وظیفا وظیفا فوق مور معبد

۱۰۴ المحال (فقار الظهر) (الرعد:۱۳) قال طرفة بن العبد
وطی محال کالحنی خلوفه　　وأجرنة لزت بدای منضد

۱۰۵ المؤید (البقرة:۸۷/۲۵۳) قال طرفة بن العبد
کأن کناسی ضالة یکنفانها　　وأطرقسی تحت صلب مؤید

۱۰۶ المورة (الطور:۹) قال طرفة بن المعبد
صهابیة المسنون موجدة القرا　　بعیدة وخدالرجل موارة الید

۱۰۷ حرف (الحج:۱۱) قال طرفة بن العبد
و جمجمة مثل العلاة کانما　　وعی الملتقی منها الی حرف مبرد

۱۰۸ الهمس (طٰه:۱۰۸) قال طرفة بن العبد
وصادقتا سمع التوجس بالسری　　لهمس خفی اولصوت مندد

۱۰۹ مازال وقعت تامّة　　قال طرفة بن العبد
ومازال تشرابی الخمور ولذتی　　وبیعی والفاقی طریفی ومتلدی

۱۱۰ عیشة (الحاقة:۲۱/القارعة:۷) قال طرفة بن العبد
فلولاثلاث هنّ من عیشة الفتیٰ　　وجدك لم احفل متی قام عودی

۱۱۱ کمایئس الکفار من اصحاب القبور (الممتحنة:۱۳) قال طرفة بن العبد
وآیاستی من کل خیر طلبته　　کانا وضعناه الی رمس ملحد

۱۱۲ البغی (القصص:۷۷/النحل:۹۰) قال طرفة بن العبد
وقال: ألا ماذاترون بشارب　　شدید علینا بغیه متعمّد

۱۱۳ سرمد (القصص:۷۱،۷۲) قال طرفة بن العبد
لعمرك ماامری علی بغمة　　نهاری ولا لیلی علی بسرمد

۱۱٤ الدنیا (البقرة:۸۵) عزیز (البقرة:۱۲۹) قال طرفة بن العبد
اری الموت لا یرعی علی ذی جلالة وان کان فی الدنیا عزیز بمقعد

۱۱۵ معروف (البقرة:۱۷۸) قال طرفة بن العبد
لعمرك ماالأیام الا معارة　　فمااستطعت من معروفها فتزوّد

۱۱٦ ضرب له حینا (البقرة:۳٦) قال طرفة بن العبد
ویأتیك بالأ بناء من لم یتبع له　　بتاتا ولم تضرب له حین موعد

۱۱۷ حاجب کالنون　　قال عنترة بن شداد
وبحاجب کالنون زیّن وجهها　　وبناهد حسن وکشح اهضم

۱۱۸ الشوی (المعارج:۱٦) قال عنترة بن شداد
وحشیتی سرج علی عبل الشویٰ　　نهد مراکله تبیل المحزم

۱۱۹ مثال إن فاتٌ　　قال عنترة بن شداد
انّ تغد فی دونی القناع فاننی　　طب باخذ الفارس المستلئم

۱۲۰ العفّة عند المغنم (البقرة:۲۷۳/النساء:٦) قال عنترة بن شداد
یخبرك من شهد الوقیعة أننی　　اغشی الوغی واعف عند المغنم

۱۲۱ الثیاب بمعنی النفس (المدثر:٤) قال عنترة بن شداد
فشککت بالرلح الاصم ثیابه　　لیس الکریم علی القنا بمحرم

۱۲۲ حذف الخبر واقامة الظرف مقامه　قال عنترة بن شداد
عهدی به مدّالنهار کانها　خضب البنان درأسه بالعظلم

۱۲۳ تجسس الخبر (الحجرات:۱۲) قال عنترة بن شداد
فبعثت جاریتی فقلت لها اذهبی　　فتجسس أخبارها لی واعلمی

۱۲۴ الکفر (البقرة: ۱۰۲) قال عنترة بن شداد

نبئت عمرا غير شاكر نعمتي والكفر مخبثة لنفس المنعم

۱۲۵ مذمم (الاسراء ۱۸/۲۲) قال عنترة بن شداد

لما رأيت القوم اقبل جمعهم يتذامرون كررت غير مذمّم

۱۲۶ ذلل (النحل: ۶۹) قال عنترة بن شداد

ذلل ركابي حيث شئت مشايعي قلبي وأحفزه بأمر مبرم

۱۲۷ عصر (العصر: ۱) وقدارانی ان كنت اراتي قال عبيد بن الأبرص

فذاك عصر وقداراني تحملني نهدة سرحوب

۱۲۸ أسر (الانسان: ۲۸) قال عبيد بن الأبرص

زيتية نائم عروقها ولين أسرها رطيب

۱۲۹ لابد قال عبيد بن الأبرص

يضغو ومخلبها في دفة لابد حيزومه منقوب

۱۳۰ غلا في الأمر (النساء: ۱۷۱/ المائدة: ۷۷) قال عدى بن زيد

وعاذلة هبت بليل تلومني فلما غلت في اللوم قلت لها اقصدى

۱۳۱ النار بمعنى خسران قال عدى بن زيد

أعاذل من تكتب له النار يلقها كفاحا ومن يكتب له الفوز يسعد

۱۳۲ خف معنیٔ ذهب (الانفال: ۶۶) قال عدى بن زيد

فريني فاني انما لي ما مضى أمامي من مالي اذا خف عودي

۱۳۳ تفنيد (يوسف: ۹۴) قال عدى بن زيد

أعاذل من لا يصلح النفس خاليا عن اللحيَ لا يرشد لقول المفنّد

۱۳۴ بدع (الاحقاف: ۹) قال عدى بن زيد

فلا انا بدع من حوادث تعتري رجالا عرت من مثل بؤسي وأسعد

۱۳۵ قوارع (الرعد: ۳۱/ الحاقة: ۴/ القارعة: ۱) قال عدى بن زيد

ولاقيت لذات الغنى واصابني قوارع من يصبر عليها يخلد

۱۳۶ والملك على ارجائها (الحاقة: ۱۸) قال عبيد بن الأبرص

ريشس الحمام على ارجائه للقلب من خوفه وجيب

۱۳۷ اشتعل الرأس شيباً (مريم: ۴) قال بشر بن أبي خازم

تعلو الفوارس بالسيوف وتعتزى والخيل مشعلة النحور من الدم

۱۳۸ سلقوكم بألسنة حداد (الاحزاب: ۱۹) قال بشر بن أبي خازم

وسلقن كعبا قبل ذلك سلقة لقناً تعاوره الاكف مقوّم

۱۳۹ اقصدن اى ارسلنه الى قصد سبيل الموت قال بشر بن أبي خازم

اقصدن حجرا قبل ذالك والقنا شرع اليه وقد اكب على الفم

۱۴۰ اليقين (النمل: ۲۲) قال اميّة بن الى الصلت

فاما تسألي عني لبيني وعن نسبي اخبرك اليقينا

۱۴۱ وقد ترعى اى كانت ترعى قال خداش بن زهير

فقار وقد ترعى بها امّ رالع مذانبها بين الأسلة والصخر

۱۴۲ وبيت الله (البقرة: ۱۲۵) قال خداش بن زهير

كذبتم وبيت الله حتى تعالجوا قوادم حرب لاتلين ولاتمرى

۱۴۳ أبى (البقرة: ۳۴) قال خداش بن زهير

الى فارس الضحياء عمرو بن عامر أبى اللم واختار الوفاء على الغدر

۱۴۴ طود (الشعراء: ۶۳) قال النمر بن تولب

وكم دونها من ركن طود ومهمة وماء على أطرافها الذئب يعسل

۱۴۵ آية (البقرة: ۲۱۱) قال النمر بن تولب

ودسّت رسولا من بعيد بآية بأن جسهم واسألهم ماتموّلوا

۱۴۶ بعد ما يكون اى بعد ما كان يكون قال النمر بن تولب

فضول أراها في اديمي بعد ما يكون كفاف اللحم اوهو افضل

۱۴۷ مزمل (المزمل: ۱) قال النمر بن تولب

رأت امّنا كيصا يلفف وطبه الى الانس البادين وهو مزمّل

مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ (۱)

(حیات)

محمد عارف عمری
رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ (یوپی)

مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ قرآن مجید کے محب و شیدائی، فکر فراہی کے خوشہ چیں اور مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اور جامعۃ الفلاح بلریا گنج وغیرہ میں قرآن مجید اور عربی ادب کے استاد تھے، ان کا وطن ضلع اعظم گڑھ کی ایک مردم خیز بستی بھور ہے، جو شہر اعظم گڑھ اور مشہور صنعتی قصبہ مبارک پور کے درمیان واقع ہے۔

بھور میں متعدد با کمال اہل علم پیدا ہوئے اور انگریزوں کے عہد میں یہ گاؤں تحریک آزادی کا ایک اہم مرکز تھا یہاں کے قدیم علماء میں ایک بزرگ مولانا اشرف علی صاحب تھے جو اپنے عہد میں بڑے رعب و دبدبہ کے مالک تھے، انہوں نے فرنگی محل جاکر تعلیم حاصل کی تھی۔

اس گاؤں میں عام علمی مزاج و ماحول علامہ شبلی نعمانی کے ایک شاگرد اور انکے ہم نام مولوی شبلی متکلم ندویؒ نے بنایا، جنہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علامہ شبلی نعمانی سے کسب فیض کیا، استاد و شاگرد کے نام کی یکسانی کے سبب یہ شبلی متعلم کہلاتے تھے مگر جب تعلیم سے فارغ ہوکر فلسفہ اور علم کلام کے استاذ مقرر ہوئے تو متعلم کے بجائے متکلم انکے نام کا جزء بن گیا۔

مولانا شبلی متکلم ندویؒ نے علامہ شبلی نعمانی کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اپنی عمر کا بیشتر حصہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی علمی خدمت کے لئے وقف کردیا اور اپنے گاؤں کے متعدد طلبہ کو مدرسہ میں داخل کرکے ان کو زیور علم سے آراستہ کیا جن میں سرفہرست مشہور مفسر اور فکر فراہی کے شارح و ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم ہیں اسی قافلہ علمی کے

ایک فرد مولانا داؤد اکبر اصلاحی بھی تھے۔

مولانا داؤد اکبر اصلاحی کا سن پیدائش متعین طور پر معلوم نہیں ہے، غالب گمان یہ ہے کہ ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۰ء کے آس پاس ان کی ولادت ہوئی ہوگی کیوں کہ اپنے آخری زمانہ میں وہ اپنی عمر بانسٹھ ترسٹھ برس بتایا کرتے تھے، ان کے والد حافظ محمد حسن مرحوم قرآن مجید کے مجود حافظ اور بڑے متقی و پرہیز گار انسان تھے، قرآن مجید کی تلاوت سے ان کو اس درجہ شغف تھا کہ راستہ چلتے ہوئے بھی وہ باآواز بلند تلاوت کرتے تھے۔

حافظ محمد حسن صاحب مسلکاً اہل حدیث تھے اور مولانا داؤد اکبر صاحب مدرسۃ الاصلاح کی طالب علمی کے زمانہ میں رفع یدین اور آمین بالجہر نہیں کرتے تھے اس پر حافظ صاحب کے بعض دوستوں کو اشکال ہوا اور انہوں نے ان سے اس کی شکایت کی مگر حافظ صاحب نے صاحبزادے کے اس عمل پر کوئی نکیر نہیں کی، بلکہ یہ کہا کہ وہ خود عالم بن رہے ہیں اس لئے وہ زیادہ بہتر سمجھتے ہوں گے۔

حافظ محمد حسن مرحوم کا ایک واقعہ بڑا موثر ہے جس سے ان کی دینی استقامت اور اسلاف کے اسوۂ عمل کو پیش نظر رکھنے کا عمدہ سبق ملتا ہے مولانا داؤد اکبر اصلاحی مرحوم بیان کرتے تھے کہ میرے والد مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو اس وقت میری عمر بہت زیادہ نہیں تھی، چنانچہ میں ان کی چارپائی پکڑ کر بیٹھ گیا اور رونے لگا اس وقت ان پر غشی کی کیفت طاری تھی، جب ذرا ہوش آیا اور مجھ کو اس حال میں دیکھا تو یہ کہا کہ تم روتے ہو آخر خیال کرو کہ وہ لوگ کیسے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی جدائی پر صبر کیا۔

حافظ محمد حسن صاحب نے نہایت کم عمری میں مولانا داؤد اکبر اصلاحی کو مدرسۃ الاصلاح بغرض حصول تعلیم بھیج دیا اور چونکہ مولانا شبلی متکلم، مولانا داؤد اکبر کے خاندانی چچا ہوتے تھے اس لئے ان کو ان سے خاص انس بھی تھا غرض مدرسۃ الاصلاح ہی میں انہوں نے ازابتدا تا انتہا تعلیم مکمل کی۔

مدرسۃ الاصلاح میں ایک اور طالب علم ان کے ہم نام داخل تھے جس کے سبب سے اکثر مغالطہ ہوجایا کرتا تھا چنانچہ مولانا شبلی متکلم نے ان دونوں میں فرق و امتیاز کے لئے ان

کے نام کے آگے اکبر کا اضافہ کر دیا جو مدۃ العمر ان کے نام کا جزو بن گیا۔

مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ ۱۹۳۶ء کے آس پاس تعلیم سے فارغ ہوئے انکے اساتذہ میں مولانا شبلی متکلم ندوی مولانا محمد سعید صاحب ندوی مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا اختر احسن اصلاحی جیسے اساطین تھے، تاہم ان کو زیادہ مناسبت مولانا شبلی متکلم اور مولانا امین احسن اصلاحی سے تھی، متقدم الذکر سے اس وجہ سے کہ وہ انکے چچا اور محسن تھے اور مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم سے ان کا تعلق مضمون قرآن مجید کی مناسبت سے تھا اور پھر وہ ان کے ہم وطن بھی تھے۔

مولانا داؤد اکبر اصلاحی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد علی الفور مدرسۃ الاصلاح میں استاد مقرر کر لئے گئے، وہ عہد مدرسۃ الاصلاح کی علمی تاریخ کا زریں دور تھا مگر ظاہری بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ان کا تقرر پانچ روپیہ ماہوار پر ہوا تھا اور یہ تنخواہ بھی آٹھ آٹھ ماہ تک اساتذہ کو نہیں مل پاتی تھی۔ مولانا داؤد اکبر اصلاحی اس عہد کا ذکر بڑے پر جوش اور محبت آمیز لہجہ میں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ سارے ہی اساتذہ کے ساتھ یہی کیفیت تھی اور لطف یہ ہے کہ مدرسہ کے منشی جی جب ہم میں سے کسی کو تنخواہ کی رقم پیش کرتے تو ہر شخص یہی کہتا کہ میرا کام چل رہا ہے کوئی صاحب زیادہ پریشان حال ہوں ان کو یہ رقم دے دیں۔ اس وقت مدرسۃ الاصلاح کے منشی، منشی محمد حنیف صاحب مرحوم تھے جو بعد میں بمبئی جا کر بہت بڑے کاروباری ہو گئے مگر مدرسۃ الاصلاح کے اس عہد کا نقش ہمیشہ ان کی نگاہوں کے سامنے رہتا ایک مرتبہ راقم الحروف مولانا صغیر احسن اصلاحی صاحب کے ہمراہ ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، اس وقت وہ صاحب فراش تھے اور ڈاکٹروں نے لوگوں سے ملنے جلنے سے منع کر رکھا تھا مگر جب ان کو یہ اطلاع ہوئی کہ مدرسۃ الاصلاح کے تعلق سے کچھ لوگ ملنے آئے ہیں تو نہ صرف یہ کہ فوراً اندر بلوایا بلکہ خود دروازہ تک آ گئے اور ہم لوگ جتنی دیر ان کے پاس بیٹھے رہے وہ مدرسۃ الاصلاح کے اسی عہد مبارک کا ذکر کرتے رہے، انہوں نے دوران گفتگو یہ بھی کہا کہ مجھ کو تازہ باتیں بھول جاتی ہیں مگر مدرسۃ الاصلاح کے اس دور کا ایک ایک واقعہ پوری طرح مستحضر ہے کہنے لگے کہ اساتذہ کی کفایت شعاری اور قناعت پسندی اور ایثار کا یہ حال تھا کہ اکثر و بیشتر لوگوں کی تنخواہیں چھ سات ماہ کی رکی رہتی تھیں جب مدرسہ میں کہیں سے کچھ رقم آ جاتی تو

حاجی رشید الدین صاحب مرحوم (برادر مولانا حمید الدین فراہیؒ) جو اس وقت مدرسہ کے ناظم [illegible] سے اساتذہ کی تنخواہوں کی چارٹ بنواتے تو پتہ چلتا کہ کسی صاحب کی چھ ماہ کی رقم باقی ہے اور کسی کی آٹھ ماہ کی۔ چنانچہ حاجی صاحب مرحوم کچھ کچھ رقم لوگوں کو دینے کی ہدایت کرتے مگر جب میں ان لوگوں کے پاس وہ رقمیں لے جاتا تو بھی یہ کہتے کہ ابھی میرا کام چل رہا ہے کوئی صاحب زیادہ پریشانی میں ہوں گے ان کو دے دیں منشی جی نے یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب اس ماحول کے اثر سے خود میرا بھی یہی حال تھا، مگر میری مالی کیفیت یہ تھی کہ میں تقریباً آٹھ سو روپیوں کا مقروض ہو چکا تھا اس لئے مجبوراً مدرسہ چھوڑ کر بمبئی آنا پڑا۔

۱۹۳۶ء میں مدرسۃ الاصلاح کے احاطہ میں دائرہ حمیدیہ کا قیام عمل میں آیا اور اس کی جانب سے ماہنامہ ''الاصلاح'' نکلنا شروع ہوا جس کا خاص مقصد فکر فراہی کی ترویج و اشاعت اور اس کے طرز پر قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والی ایک جماعت کا تیار کرنا تھا مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم اس قافلہ کے میر کارواں تھے اور اس علمی تحریک میں جن بزرگوں نے نمایاں حصہ لیا ان میں مولانا داؤد اکبر اصلاحی مرحوم بھی شامل تھے چنانچہ ۱۹۳۷ء سے الاصلاح میں ان کے مضامین نکلنے شروع ہو گئے جو فکر فراہی کے طرز و ادا پر خالص قرآنی موضوعات پر مشتمل ہوتے تھے۔

مولانا داؤد اکبر اصلاحی کو قرآن مجید سے والہانہ تعلق تھا وہ گو حافظ قرآن مجید نہیں تھے مگر نماز تراویح میں بالعموم حافظ کو لقمہ دیتے تھے مولانا حمید الدین فراہیؒ کے طریقہ تفسیر سے ان کو اس درجہ تعلق تھا کہ اس انداز پر قرآن مجید میں غور و فکر کرتے اور اس کے طریقہ تفسیر پر اگر کوئی اعتراض کیا جاتا تو ان کو ناگواری ہوتی۔ قرآن مجید سے اس والہانہ تعلق کی بنا پر ۱۹۴۳ء میں جب مولانا امین احسن اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سے علیحدہ ہو کر پٹھان کوٹ چلے گئے تو منتہی طلبہ کو قرآن مجید پڑھانے کے لئے ان ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔

مدرسۃ الاصلاح میں مولانا داؤد اکبر اصلاحی نے تعلیم و تدریس کی خدمت ایک عرصہ تک انجام دی۔ پھر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے اس درس گاہ سے عمر بھر کا پیمان وفا باندھا تھا ان کو مجبوراً اس درس گاہ سے علیحدہ ہونا پڑا جن میں

مولانا داؤد اکبر اصلاحی بھی تھے۔

مدرسۃ الاصلاح سے علیحدگی کے بعد وہ اپنے گاؤں کے قریب قصبہ مبارک پور کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں مدرس مقرر ہو گئے اور تقریباً بارہ برس تک اس سے وابستہ رہے مگر فکری ہم آہنگی ان کو وہاں میسر نہیں تھی چنانچہ کچھ دنوں شہر اعظم گڑھ میں جامعۃ الرشاد سے منسلک رہے اور اسی اثنا میں ان کے ایک عزیز شاگرد جو پڑگہ (مبارکپور) کے رہنے والے تھے اور جنہوں نے ان سے مدرسۃ الاصلاح میں تعلیم حاصل کی تھی ان کو اپنے وطن میں بلایا، چنانچہ کچھ وقت پڑگہ میں بھی گذارا بالآخر دوبارہ مادر علمی مدرسۃ الاصلاح سے بلاوا آیا اور وہ مولانا شبلی متکلم ندوی کی معیت میں پھر وہاں پہونچ گئے۔

مدرسۃ الاصلاح کی یہ عجیب بدقسمتی رہی کہ مولانا شبلی متکلم ندوی جیسا بے ضرر شخص جن کو علامہ شبلی نعمانی کے شاگرد اور مولانا حمید الدین فراہی کے خواجہ تاش ہونے کا شرف حاصل تھا، ۱۹۷۷ء میں دوبارہ مدرسۃ الاصلاح سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہوئے اور اس دفع بھی ان کے رفقاء کار ان کی معیت میں علیحدہ کر دیے گئے اس واقعہ کے بعد مولانا داؤد اکبر اصلاحی کے عزیزوں نے ان کو تعلیم و تدریس سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کر کے گھر پر مقیم رہنے کا مشورہ دیا اور وہ بھی اس کے لئے آمادہ ہو گئے مگر عمر بھر تعلیم و تدریس سے جو وابستگی تھی اس کی تشفی کا سامان بھور جیسے گاؤں میں کیسے ممکن ہو سکتا تھا بہر حال کچھ ہی دنوں بعد مولانا نجم الدین اصلاحی کی دعوت پر مولانا آزاد تعلیمی مرکز اسرہٹہ جونپور سے جزوی تعلق منظور کر لیا اسی دوران ۱۹۷۸ء میں وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں جامعۃ الفلاح بلریاگنج کے استاذ تفسیر مولانا جلیل احسن ندویؒ کا انتقال ہوا تو وہاں قرآن مجید کی تعلیم کا مسئلہ پیدا ہوا اس وقت جامعۃ الفلاح کے ناظم مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ تھے جو ان دنوں اپنے وطن چاند پٹی میں اقامت گزیں تھے انہوں نے مولانا جلیل احسن ندوی کی جگہ پر کرنے کے لئے مولانا داؤد اکبر اصلاحی کو دعوت دی جس کو انہوں نے منظور کر لیا ان دنوں داؤد اکبر اصلاحیؒ کے اکلوتے فرزند مولوی محمد اشہد صاحب بیرون ملک مقیم تھے اس لئے گھر کی نگرانی کے لئے ان کا موجود رہنا بہت ضروری تھا

مگر اس کے باوجود انہوں نے جامعۃ الفلاح کے تعلق کو قبول کیا راقم الحروف ان دنوں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم تھا چھٹی میں جب آنا ہوا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ ایسے حالات میں جامعۃ الفلاح کا تعلق آپ نے کیوں قبول کر لیا تو اس کے جواب میں انہوں نے جو بات کہی وہ میرے لئے نہایت سبق آموز ہے کہنے لگے بھئی کیا کرتا، مولانا ابو اللیث صاحب کا حکم تھا اس کو میں کیسے ٹالتا دراصل مدرسۃ الاصلاح کے تعلق سے ان دونوں بزرگوں میں بڑی محبت تھی اور مولانا داؤد اکبر اصلاحی باوجودیکہ جماعت اسلامی ہند سے کوئی رسمی وابستگی نہیں رکھتے تھے مگر ان کے دل میں مولانا ابو اللیث صاحب کی قدر و منزلت مثل امیری کے تھی۔ اس وقت تک میں کبھی مولانا ابو اللیث مرحوم سے ملا نہیں تھا مگر اس گفتگو کے بعد سے میرے دل میں ان کی عظمت کا ایک نقش بیٹھ گیا تھا مولانا ابو اللیث صاحب سے میری پہلی ملاقات مولانا داؤد اکبر اصلاحی مرحوم کے انتقال کے کچھ دنوں بعد ہوئی چنانچہ میں ان سے نہایت عقیدت و محبت سے ملا اور جب میں نے ان کو یہ بتایا کہ میں مولانا مرحوم کا نواسہ ہوں تو انہوں نے ازراہ محبت میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مولانا داؤد اکبر اصلاحی مرحوم کو یاد کر کے تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔

جامعۃ الفلاح پر مولانا داؤد اکبر اصلاحی بہت کم وقت رہ سکے سال ڈیڑھ سال کا وقت بھی بمشکل گذرا تھا کہ ایک روز جامعہ سے گھر جاتے ہوئے راستہ ہی میں ان پر دماغی فالج کا حملہ ہوا پھر کچھ وقفہ کے بعد دوبارہ اس کا حملہ ہوا اور تقریباً ہفتہ دس روز صاحب فراش رہ کر ۲۸/فروری ۱۹۸۳ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا داؤد اکبر اصلاحی کے انتقال کے وقت ان کے لڑکے مولوی محمد اشہد صاحب اور ان کی صاحبزادی یعنی راقم الحروف کی والدہ دونوں میں سے کوئی موجود نہیں تھا میں بھی مدینہ منورہ تھا مولانا مرحوم کی معنوی اولادوں نے جنازہ میں شرکت کی اور ان کے بچپن کے دوست اور رفیق مولانا اظہار الدین اصلاحی مرحوم نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے آبائی قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔ تغمدہ اللہ برحمتہ وادخلہ فی فسیح جنانہ

کفار کے جنازے میں شرکت کا حکم

ابوارقم فلاحی

سوال: کیا کافروں کے جنازے میں شرکت جائز ہے؟ کیا ان کی تدفین وتکفین میں حصہ لیا جا سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق کافروں کے جنازوں میں شرکت از روئے شریعت درست نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے جنازوں میں شرکت سے انکی تعظیم ہوگی جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کا جب انتقال ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی اطلاع آپ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے اس پر فرمایا: اذهب فوار اباك ولا تحدثن شيأ حتى تاتيني فوار يته (سنن النسائی کتاب الجنائز باب مواراۃ المشرک ۴/۶۵:۲۶) جاؤ اور اپنے والد کی لاش کو چھپا دو۔ اس کام کے علاوہ کوئی اور کام کئے بغیر میرے پاس آؤ۔ (حضرت علیؓ فرماتے ہیں) کہ میں نے جا کر ان کی لاش کو چھپا دیا۔

غور کیجئے! اگر کافر کے جنازے میں شرکت اور اسکی تدفین وتکفین میں حصہ لینا جائز ہوتا تو آپ ﷺ اپنے مشفق وغمگسار چچا کی تدفین وتکفین میں ضرور حصہ لیتے لیکن ابو طالب جیسے عظیم شخص (جنھوں نے ہر موڑ پر آپ ﷺ کی حمایت کی) کے جنازے میں آپ ﷺ کا شرکت نہ فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کسی کافر کے جنازے میں شرکت جائز نہیں ہے۔

یہی رائے حنابلہ کی بھی ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ولا يغسل مسلم كافرا ولا يدفنه الا ان لا يجد من يواريه غيره (المغنی ۲/۳۱۵) کوئی مسلم کسی کافر کو غسل نہ دے اور نہ ہی دفن کرے البتہ اگر کافر کی لاش کو کوئی مٹی میں چھپانے والا نہ ہو تو اسے مٹی میں چھپا دے۔

امام مالکؒ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: اذا مات كافر مع المسلمين لم يغسلوه سواء كان قريباً لهم أو لا ولا يتولو ادفنه الا ان لا يجد من يواريه (المغنی ۲/۳۱۵)

مسلمانوں کے ساتھ اگر کوئی کافر بھی مر جائے تو مسلمان نہ اسے غسل دیں اور نہ ہی اسے دفن کریں خواہ وہ ان کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو البتہ اس کی لاش کو چھپانے والا کوئی نہ ہو تو اس کو مٹی میں چھپایا جا سکتا ہے۔ هذا ما عندي والعلم عند الله عز وجل

سر سیدؒ کا اصلاحی مشن

ابوعبدالرحمٰن عمار فلاحی

از: ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی — کتابت وطباعت: عمدہ

قیمت: ۱۰۰ روپے (ایک سو روپے) — صفحات: ۲۰۵

ملنے کے پتے: یونیورسل بک ہاؤس عبدالقادر مارکیٹ علی گڑھ (یوپی)

ظفر بک ڈپو جھتہ مسجد، گیا (بہار)

ماضی قریب کے جن مصلحین کی خدمات پر سب سے زیادہ کام ہوا ان میں سر سید کا شمار سر فہرست ہوتا ہے لیکن براہو عصبیت کا کہ سر سیدؒ کے بارے میں عموماً جو کچھ لکھا گیا اس میں بہت افراط وتفریط پائی جاتی ہے حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کی کم ہی کوشش کی گئی ہے قابل ستائش ہیں ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی جنھوں نے بلا خوف لومۃ لائم سر سیدؒ کے عہد کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی خدمات کا منصفانہ جائزہ لینے کی کوشش کی ہے اور الحمد اللہ کامیاب ہیں انشاء اللہ موصوف کی یہ کتاب سر سید فہمی کے لئے کلید کا کام دیتی رہے گی اس کی کلیدی حیثیت کا اندازہ اس کے مباحث سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

''اس کتاب کا پہلا باب ''سر سید اصلاح وتجدید کی جولانگاہ میں'' ہے جو سر سید کے تمام شعبہ ہائے زندگی پر مشتمل ان کے اصلاحی مشن کا ایک تعارف بھی ہے ان کی اصلاحی کوششیں دو حیثیتوں پر مشتمل ہیں ایک کو دفاعی اور دوسری کو اقدامی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اصلاح وتجدید کی ممتاز ترین شخصیات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہ تعصب وہٹ دھرمی، اتباع بے جا وتقلید جامد، رسوم وروایات، بدعات وخرافات اور معاشرے کے دیگر داخلی مسائل کی عقدہ کشائی میں سرگرم عمل رہتے ہیں اس جہت کی کوششیں دفاعی ہیں۔ مغربی تہذیب کے مستحسن پہلوؤں سے استفادہ، تہذیب الاخلاق کا اجراء، سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی تشکیل اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا قیام یہ تمام سر سید کی اصلاحی جدوجہد کے اقدامی پہلوؤں کے خوش آئند ثمرات ونتائج ہیں۔

دوسرا باب ''سر سید کے مذہبی افکار وخدمات'' پر مشتمل ہے مذہب کی قلم رو میں اس

باب کا پہلا مضمون ہے مذہب کو وہ انتہائی قیمتی اثاثے سے تعبیر کرتے تھے، حالی کے الفاظ میں ''مذہب کی ہی آغوش میں پرورش پائی تھی اور مذہب کی گود میں ہی ہوش سنبھالا تھا'' عقل و سائنس کے دور میں فطرت اور عقل میں مطابقت کے اصول پر گامزن ہوتے ہوئے سرسید کی معاشرتی اصلاحی کوششوں کا سہرا بعض امور و معاملات میں خالص مذہبی امور سے جا ملتا ہے جہاں ان سے لغزشیں بھی صادر ہوتی ہیں مذہبی خدمات میں تفسیر القرآن کا حصہ اس باب کا دوسرا مبحث ہے قرآن پاک کی تفسیر میں مولانا حالی کے بقول جگہ جگہ ٹھوکریں کھائیں اور ان سے رکیک لغزشیں سرزد ہوئیں۔ ''تفسیر القرآن'' کی شکل میں وقت کے چیلنج کا جواب دیا ہے اور آج بھی ''خذ ما صفا و دع ما کدر'' کے اصول کے مطابق اس تفسیر کو دیکھے جانے کی ضرورت ہے اس باب کے تحت آخری موضوع ''الخطبات الاحمدیہ'' کے تناظر میں ہے عناد و تعصب کے شاہکار کی شکل میں جب انگریز حاکم ولیم میور کی ''دی لائف آف محمد'' منظر عام پر آئی تو سرسید نے شب و روز کا سکون کھو دیا دیوانے بن گئے اور قرآن و سیرت پاک سے متعلق دفاع کی قیادت کا علم اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا اور اسی دشمن اسلام کی مذموم کاوشوں اور گستاخانہ حرکتوں کا دلائل و براہین کی روشنی میں بڑا مسکت جواب دیا اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ''الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیۃ'' کی شکل میں مبارک کوشش دراصل ایک تحریک کی بنیاد تھی جس کا بانی وہ سید احمد ہے جو آج اپنے خون جگر سے سینچے ہوئے چمن کے ایک گوشے میں آرام فرما رہا ہے۔

تیسرا باب ''سرسید کا تعلیمی جہاد'' سے موسوم ہے اس باب کے تحت پہلا مضمون اسلامیان ہند کے لئے تعلیم کا موقف، ہے اصلاح و تجدید کے اس پیامی نے پہلے جدوجہد آزادی کے تباہ کن اثرات و نتائج کا بڑی دقت نظری سے جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ قوم کی تمام تر رسوائیوں کا مداوا مروجہ تعلیم کے حصول میں مضمر ہے چنانچہ وقت کے انتہائی ناگزیر تقاضے کی تکمیل کے لئے اسلامیان ہند کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا سرسید تعلیم کی روح سے کما حقہ واقف تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی اس جہت کی کوششوں میں ایک ہاتھ میں فلسفہ، دوسرے ہاتھ میں نیچرل سائنس اور سر پر لا الٰہ الا اللہ کے تاج ہونے کا اصول ہمہ آں ناطق نظر آتا ہے، مسلم یونیورسٹی ایک خواب کی تعبیر، اس باب کا دوسرا مبحث ہے جو سرسید کی تعلیمی تحریک کے ایک عظیم یادگاری منارہ اتحاد باہمی و قومی یکجہتی کی علامت اور بالخصوص مسلمانان ہند کے

لئے متاع بے بہا جیسے مشتملات و مباحث پر محیط ہے تصور تعلیم نسواں، اس باب کا آخری موضوع ہے جس کے تحت سرسید کے منظم نظریہ تعلیم نسواں اور ان کی منصوبہ بند کوششوں پر قدرے تفصیل سے بحث کی گئی ہے ملک و معاشرہ کے مخصوص احوال و کوائف کے پس منظر میں سرسید مردوں کی تعلیم کو عورتوں کی تعلیم کی پہلی منزل قرار دیتے ہیں نیز عورت کی مخصوص فطرت اس کی عظمت و وقار، مخصوص دائرہ کار اور اس کے تقاضوں پر زبان و قلم کا زور صرف کرتے ہوئے قرآن و سنت کے مدعا و مقصود پر اپنی توجہات مرکوز رکھتے ہیں اور اسی موقف کی حمایت میں پیش پیش نظر آتے ہیں کہ عورت کا میدان کار دراصل اس کا گھر ہے اور اس کے لئے وہی تعلیم مطلوب ہے جس کے ذریعہ خوف خدا، خاوند کی محبت، حسن اخلاق، تربیت اطفال اور امور خانہ داری میں حسن انصرام جیسے اوصاف حسنہ نشوونما پائیں تاکہ وہ ایک لائق ملکہ خانہ اور بے مثل شہزادی کی حیثیت سے گھر اور معاشرے کی دنیا میں حکمرانی کا فریضہ انجام دے سکے۔

آخری باب ''سرسید کی سیاسی سرگرمیاں'' سے موسوم ہے اس میں پہلا مضمون 'سیاسی حکمت عملی' سے عبارت ہے مخصوص حالت میں سیاست سے بے تعلقی پر آمادہ کرنا اور تحصیل علم کو مرکزی حیثیت دینا، انگریزوں کی وفاداری اور انڈین نیشنل کانگریس کی مخالفت سرسید کی سیاسی زندگی کے اہم مباحث ہیں جن پر غیر جانب داری کے ساتھ قدرے مبسوط گفتگو کی گئی ہے ''تصور قومیت'' اس باب کا دوسرا مبحث ہے فی الحقیقت سید احمد کا تصور قوم مبہم اور گنجلک نہیں ہے اسلامی نظریہ قومیت کے علم بردار بنتے ہوئے اس خادم ملک و ملت نے کان الناس امۃ واحدۃ کی روح سے اولاد آدم کو روشناس کرایا دوسری طرف تمام باشندگان ملک کو بلا فرق و امتیاز ایک قوم قرار دیا ہاں ۱۸۵۷ء کے نامساعد حالات کے پس منظر میں ہندی مسلمان نسبتاً زیادہ ان کی توجہات کے مستحق تھے اس لئے ان کی طرف سرسید کی خصوصی نظر عنایت فرقہ واریت کی غماز نہیں تھی بلکہ وطن عزیز سے عین محبت پر ناطق شہادت تھی اور اسی طریقہ عمل میں پورے ہندوستان کی امن و سلامتی، اور خوشحالی و فارغ البالی کا راز مضمر تھا'' (ص ۱۶-۱۹)۔

اخیر میں دوران مطالعہ ابھرنے والے اس احساس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ فاضل مصنف نے سرسید پر بے جا الزامات کی صفائی میں اپنا جوہر تو خوب دکھایا ہے لیکن بے جا الزامات کے سلسلے میں دوسروں کا سہارا زیادہ لیا ہے حالانکہ وہ خود اس مقام پر ہیں کہ اپنے علم و بصیرت سے کام لیتے تو وزن بڑھ جاتا۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

ایس آئی ایم کے کل ہند صدر صلاح الدین احمد صاحب کا خطاب ۹ر ۱۰ر ستمبر ۱۹۹۹ء ایس آئی ایم آف انڈیا کے موجودہ کل ہند صدر انجینئر صلاح الدین احمد صاحب تنظیمی دورے پر جامعہ تشریف لائے تو مقامی یونٹ نے عمومی افادے کے لئے خطاب عام کا پروگرام بھی ترتیب دیا چنانچہ موصوف نے "فان حزب اللہ ھم الغالبون" کے عنوان پر اظہار خیال فرمایا ابتداءً جامعہ کے تئیں اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جامعہ جیسے منفرد ادارے میں اپنی حاضری کو سعادت سمجھتا ہوں یہاں اذان کی آواز جب کان میں پڑی تو عجیب حلاوت محسوس ہوئی اور ایسا سکون میسر آیا کہ بیان نہیں کر سکتا، سیکولر اداروں میں تو ہم اس کیلئے ترستے رہتے تھے"

آپ نے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کہا "لا الہ الا اللہ کا اقرار کرکے ہم نے اپنے رب سے یہ عہد کیا ہے کہ من چاہی زندگی کو چھوڑ کر رب چاہی زندگی گذاریں گے خواہ اسکی خاطر کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے حتی کہ جان کا نذرانہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے امت کے نوجوانوں میں یہ شعور زندہ و پائندہ بنانے کی ضرورت ہے بالخصوص دینی علوم سے بہرہ ور ہونے والے نوجوانان تو امت کی امیدیں اور اس کا مستقبل ہیں آپ جس راہ پر چلیں گے امت بھی اسی راہ پر چلے گی اس لئے آپ کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں"۔

واضح رہے کہ اصلاً وہ ایک انعامی سیمینار بعنوان "بابری مسجد" میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے جس میں پہلا انعام عبدالعظیم متعلم عربی ہفتم دوسرا انعام محفوظ عالم نیپالی متعلم عربی پنجم اور تیسرا انعام عدیل اختر متعلم عربی ششم نے حاصل کیا۔ اس موقع سے سابق سکریٹری جنرل ایس آئی ایم آف انڈیا جناب ضیاء الدین صدیقی صاحب نے بھی حالات حاضرہ کے تناظر میں خطاب فرمایا اور خدمت کے بجائے قیادت کیلئے حصول علم پر زور دیا۔

نئی تقرری جناب نصیر عالم صاحب فلاحی کی خدمات دفتر نظامت میں بحیثیت محرر حاصل کی

گئی ہیں آپ نے یکم ستمبر ۱۹۹۹ء سے کام شروع کر دیا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں جامعہ سے فضیلت کیا اور ۱۹۹۷ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم اے کیا ہے آپ چکیا اطلو مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ موصوف کو بیش از بیش خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

اجلاس عام اور افتتاحی تقریب کی تیاریاں ۱۵/۱۶/۱۷ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو مادر علمی میں منعقد ہونے والے اجلاس عام اور مرکزی لائبریری کی افتتاحی تقریب کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں مہمانان گرامی سے رابطہ جاری ہے تمام فارغین جامعہ اور بہی خواہان جامعہ کو دعوت نامے ارسال کئے جا چکے ہیں انتظامی امور کی تقسیم عمل میں آچکی ہے اس کے مطابق سبھوں نے مفوضہ ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں طلبہ کے اندر بھی کافی جوش و خروش پایا جا رہا ہے مختلف انداز سے وہ بھی اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

انعامی سیمینار ایس، آئی او فلاح یونٹ نے ممبران اور امیدواران ممبران کی علمی و تحریری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے ۱۶، ۱۷ ستمبر ۱۹۹۹ء کو انعامی سیمینار منعقد کیا جس کا عنوان تھا "بیسویں صدی کی تعلیمی تحریکی اور ادبی شخصیات" عنوان بہت وسیع الاطراف تھا جس کا احاطہ مشکل تھا چنانچہ صرف درج ذیل شخصیات پر ہی مقالات پیش ہو سکے۔ (۱) مولانا مودودیؒ (۲) حسن البنا شہیدؒ (۳) سید قطب شہیدؒ (۴) علامہ شبلیؒ (۵) مولانا محمد علی جوہرؒ (۶) مولانا امین احسن اصلاحیؒ (۷) سر سیدؒ (۸) مائل خیرآبادیؒ (۹) افضل حسینؒ

اس سیمینار میں ذیشان درجہ عربی ہفتم اول انعام، مجاہد رضا عربی ہفتم دوم انعام اور عبدالودود عربی ششم سوم انعام کے مستحق قرار پائے اللہ سے دعا ہے کہ ان عزیزوں کی صلاحیتوں کی مزید جلا بخشے۔ (آمین)

اظہار تعزیت انتہائی رنج و الم کے ساتھ ہم یہ خبر دے رہے ہیں کہ جامعہ کے سابق رکن انتظامیہ (شوریٰ) جناب عبدالحمید پانڈے صاحب ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۹ء کو تقریباً پچاسی سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ پورہ الہر یا سرینا خالصہ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ طویل مدت تک پیشہ تدریس سے وابستہ رہے۔ ریٹائرمنٹ

کے بعد گھر پر ہی مقیم تھے۔ آپ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کی انتظامیہ کے بھی ممبر تھے بلکہ وہاں کے ناظم بھی رہے ہیں۔ آپ جماعت اسلامی کے بھی رکن تھے۔ وفات کی خبر سنتے ہی نائب ناظم جامعہ مولانا ابو البقاء صاحب ندوی کی قیادت میں ایک وفد نے جنازے میں شرکت کی اور اہل خانہ سے تعزیت فرمائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ موصوف کی کوششوں کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

پروگرام دوسرا اجلاس عام ۱۵/۱۶/اکتوبر ۱۹۹۹ء

انجمن طالبات قدیم جامعۃ الفلاح

۱۵/اکتوبر بروز جمعہ: پہلا سیشن ۲ تا ۴ بجے کنوینر محترمہ راشدہ فرخ صاحبہ فلاحی

زیر صدارت محترمہ سیدہ مسعود وقار صاحبہ — تلاوت کلام پاک

استقبالیہ محترمہ بیڈ معظمہ صاحبہ — درس حدیث محترمہ نور الصباح صاحبہ فلاحی

تقاریر بعنوان "فارغات کلیۃ البنات اور ان کی ذمہ داری"۔

شرکاء: محترمہ نصرت صاحبہ محترمہ نسیمہ مالک صاحبہ، محترمہ شبانہ صاحبہ

خطاب عام محترمہ طیبہ ام مسعود صاحبہ

تقسیم انعامات بدست صدر انجمن طالبات قدیم

۱۶/اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز سنیچر: دوسرا سیشن ۹ تا ۱۲ بجے کنوینر محترمہ سلمیٰ خورشید صاحبہ فلاحی

(الف) تلاوت کلام پاک درس قرآن محترمہ سمیہ صاحبہ فلاحی

ترانہ خطبہ استقبالیہ، خطبہ صدارت، رپورٹ انجمن، تجاویز و مشورے

(ب) باہمی تعارف

۱۶/اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز سنیچر: تیسرا سیشن ۲ تا ۴ بجے کنوینر محترمہ عارفہ زینب صاحبہ فلاحی

(الف) طریقہ انتخاب کی تفہیم، انتخاب صدر انجمن، انتخاب ارکان شوریٰ

(ب) اعلان نتائج و خطاب صدر سابق و حال

اختتامی کلمات

المکتبة المرکزیة جامعة الفلاح

عن ابی ھریرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلاثة الا من صدقة جاریة او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے مگر تین اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب اسے برابر پہنچتا رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو (۳) صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہو۔

تعلیمی ادارے کے لئے کتب خانہ ایک بنیادی ضرورت ہے چنانچہ شروع ہی سے ذمہ داران جامعہ نے اس کی طرف توجہ دی۔ اب تک یہ کتب خانہ ایک ہال اور چند کمروں پر مشتمل تھا۔ بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر کتب خانہ کی ایک وسیع عمارت کا منصوبہ بنایا گیا۔ بحمد اللہ اسلامی ترقیاتی بینک جدہ کے تعاون سے یہ اہم منصوبہ پایہ تکمیل تک پہونچا اور کتب خانہ کی وسیع وعریض عمارت تیار ہوگئی۔ یہ عمارت جدید انداز سے لائبریری کی جملہ ضروریات کو پیش نظر رکھ کر بنائی گئی ہے۔ اب مختلف موضوعات پر اہم مراجع و مصادر کی فراہمی کا مرحلہ ہے امید ہے اہل علم واہل خیر حضرات کا گرانقدر تعاون جامعہ کو حاصل ہوگا۔

کتب خانہ کی افتتاحی تقریب ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ منعقد ہو رہی ہے جس میں ملک و بیرون ملک کی اہم شخصیات کی شرکت متوقع ہے۔

تعاون کی شکلیں

(۱) مطلوبہ کتب کی فہرست سے منتخب کتابیں خرید کر یا اس کی قیمت ارسال کریں (فہرست الگ سے حاصل کی جا سکتی ہے)

(۲) کوئی اہم کتاب جو آپ کے پاس ہو عنایت فرمائیں۔

(۳) آپ کے متعارفین (جاننے والوں) میں اگر کوئی مولف، مصنف یا مترجم ہو

تو اس کو اپنی کتابیں مکتبہ کو ہدیہ کرنے کی درخواست کریں۔

(۴) اہل خیر حضرات کو کتابیں خرید کر بھجوانے کی طرف متوجہ کریں۔

(۵) اصحاب علم یا اہل خیر حضرات اپنا ذاتی مکتبہ اگر کہیں منتقل کرنا چاہتے ہوں تو ان سے جامعہ بھجوانے کی درخواست کریں تاکہ وہ انکے نام کے کلکشن کی شکل میں محفوظ رکھی جائیں۔

(۶) کوئی روزنامہ، سہ روزہ، ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہنامہ، سہ ماہی، ششماہی (اخبار، مجلہ، میگزین) وغیرہ اپنے خرچ پر مکتبہ کے نام جاری کرائیں خواہ وہ عربی، انگریزی، اردو، ہندی وغیرہ کسی زبان میں ہو۔

(۷) کسی ادارے، مکتبے، یا مدیر اور رسائل و جرائد سے تعلقات ہوں تو ان سے رسالہ یا اخبار اعزازی طور پر جاری کرائیں۔

(۸) آپ کے پاس کوئی کتاب یا کتابوں کا سیٹ اپنی ضرورت سے زائد ہو تو مکتبہ کو عنایت فرمائیں۔

(۹) کوئی بھی نایاب کتاب، مخطوطہ یا نادر دستاویز آپکے پاس ہو جسے آپ محفوظ کرانا چاہتے ہوں تو اسے مکتبہ کے حوالے کریں تاکہ وہ قابل استفادہ ہو سکے اور اسکا افادہ عام ہو۔ بصورت دیگر آپ ان کی فوٹو کاپی فراہم کریں یا ہمیں معلومات دیں تاکہ ہم اپنے طور پر اس کی کاپی کرالیں۔

(۱۰) کمپیوٹر، فوٹو اسٹیٹ مشین، جنریٹر، فرنیچر، انٹرنیٹ، فیکس، آڈیو، ویڈیو اشیائے ضروریہ کی شکل میں اپنا تعاون پیش فرمائیں۔

(۱۱) جائداد اثاثے وقف کریں تاکہ مستقل ضرورت کی تکمیل کی شکل میں صدقہ جاریہ ثابت ہوں۔

(۱۲) عازمین حج واپسی میں مکتبہ کے لئے قیمتی کتب خرید کر ہدیہ فرمائیں یا کسی کی خرید کردہ کتب کو لانے کی زحمت کریں۔

(۱۳) طلبہ و طالبات بیرون ملک مقیم سرپرستوں اور متعلقین کو کتابیں فراہم کرنے کے لئے خطوط ارسال کریں۔

پروگرام تقریب افتتاح مرکزی لائبریری

جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ یو۔پی

۱۵ر اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ ۹ر تا ۳۰-۱۱ر بجے کلیات البنات کا پروگرام

جز اول تعلیمی مظاہرہ ۹ر تا ۳۰-۱۰ر بجے زیر نگرانی صدر معلمہ صاحبہ

جز ثانی تقسیم اسناد ۳۰-۱۰ تا ۳۰-۱۱ بجے زیر صدارت مہمان خصوصی

تلاوت

استقبالیہ کلمات مولانا رحمت اللہ اثری صاحب معاون مہتمم تعلیم و تربیت

تقسیم اسناد (ممتاز طالبات)

صدارتی کلمات مہمان خصوصی

وقفہ برائے طعام

خطبہ جمعہ شیخ الجامعہ ۱ر تا ۳۰-۱ بجے

بعد نماز جمعہ مرکزی لائبریری کا افتتاح بدست مہمان خصوصی ۲ر تا ۳۰-۳ بجے

پروگرام زیر صدارت مہمان خصوصی

تلاوت ترانہ جامعہ تعارفی کلمات مولانا ابوالبقاء ندوی، نائب ناظم

کلمات الضیوف صدارتی کلمات مہمان خصوصی

وقفہ برائے نماز عصر عصرانہ منجانب انجمن طلبہ قدیم

وقفہ برائے نماز مغرب طعام نماز عشاء

بعد نماز عشاء طلبہ کا تعلیمی مظاہرہ ۳۰-۸ تا ۱۱ر بجے شب

صدارت ڈاکٹر خلیل احمد صاحب، ناظم جامعہ

کنوینر [illegible]

تلاوت، ترانہ جامعہ، حمد و نعت، تقاریر، کلام، تمثیلی ڈرامے و تقسیم انعامات

صدارتی خطاب